1985

نجفی کیسٹ لائبریری
(شعبہ کتب)
بیت السجاد ... نشتر پارک
بازار — کراچی

Date 23/9/96
ACC No. 1985
Status
Section D/99
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

خطیب اعظم

مولانا سید محمد دہلوی مرحوم

حالات زندگی و تاثرات

مرتبین پسران حضرت خطیب اعظم

سید احمد جوہر

سید محمد رضا

۱/۲ فردوس کالونی۔ کراچی ۱۸

985
نجفی کیسٹ لائبریری
(شعبہ کتب)
بیت السادات - مقابل نشتر پارک
بازار — کراچی
Date 23/9/96
ACC No. 1985
Status
Section D/99
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

خطیب اعظم

مولانا سید محمد دہلوی مرحوم

حالات زندگی و تاثرات

مرتبین پسران حضرت خطیب اعظم

سید احمد جوہر

سید محمد رضا

1/2 فردوس کالونی کراچی

جملہ حقوق بحقِ مرتبین محفوظ ہیں

ناشر : سید احمد جوہر۔ سید محمد رضا

مقام اشاعت : ½ فردوس کالونی۔ کراچی ۱۸

طابع : جاوید پریس کراچی

تعداد اشاعت: ایک ہزار

ستمبر ۱۹۷۱ء

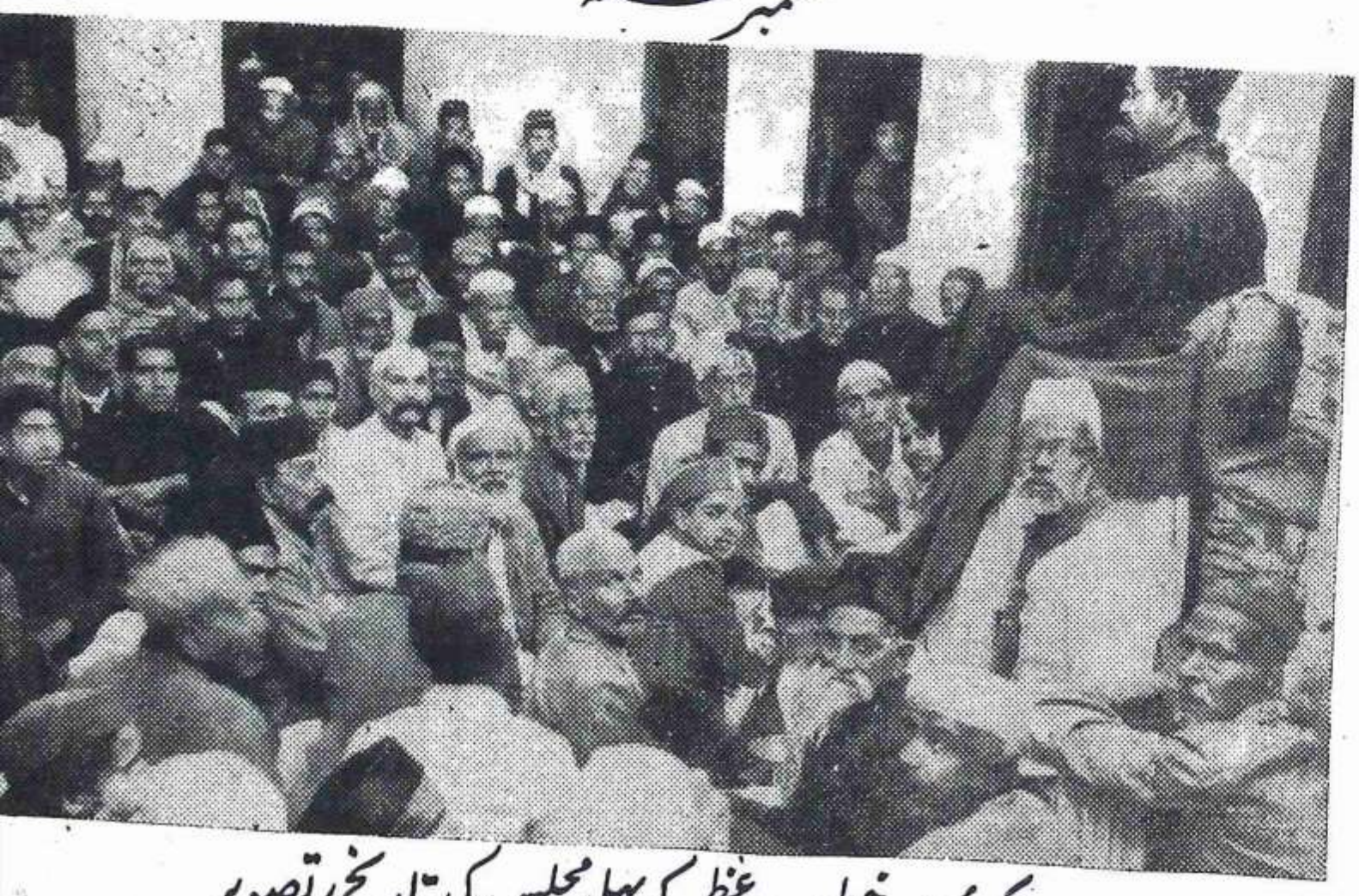

لکھنؤ میں خطیب اعظم کی پہلی مجلس کی تاریخی تصویر

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust (R)
Shop No. 11, M.L. Heights,
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400, Pakistan.

اس کتاب میں

حرف آغاز	سید احمد جوہر
مختصر تاریخ حیات	سید اعجاز حسین
شہرت کے پچاس سال	مولانا مرتضیٰ حسین فاضل
ایک مثالی شخصیت	عماد العلماء مولانا سید محمد رضی
علمی خدمات	مولانا سید آغا مہدی
زندگی آموز خطیب	سید ضیاء الحسن موسوی
نگاہیں ڈھونڈ رہی ہیں	علامہ رشید ترابی
رنگ خطابت	علامہ ابن حسن جارچوی
علم مجلسی	ادیب اعظم مولانا سید ظفر حسن امروہوی
جب مورخ قلم اٹھائے گا	علامہ سید ابنِ حسن نجفی
ایک چراغ اور گل ہو گیا	حافظ محمد اسلام
خطیب اعظم	ملا واحدی
رام پور سے کراچی تک	سید احمد جوہر
مطالبات اور خطیب اعظم	سید محمد رضا
عظیم آباد کی یادگار مجالس	مولانا محمد مصطفےٰ جوہر
چراغ اخلاق و عمل	قیصر عباس زیدی
میرے ساتھی	محمد حسین خاں زبیری

والد مرحوم کے دوست	روشن علی بھائی
میرے استاد	سرکار حسن تقوی
میرے دوست	حاجی داؤد ناصر
میرے بابا	ابنِ صفی
ایک تاریخی دستاویز	آقائے محسن الحکیم
قومی رہ نما	سید علی مظہر رضوی

منظومات و قطعات تاریخی

سید سبطین احمد نقوی ۔ ہادی سرسوی ۔ نسیم امروہوی ۔ سید آل رضا ۔
ڈاکٹر یاور عباس ۔ ضیاء الحسن موسوی ۔ عرفان عابدی ۔ محشر لکھنوی ۔

پیامات تعزیت

علمائے عراق و ایران و پاکستان ۔ عمائدین پاکستان و ہند و افریقہ
قومی اور سیاسی قائدین

تعزیتی اجتماعات

قومی صحافت کا خراج عقیدت

حرف آخر

LIBRARY
MASOOMEEN WELFARE TRUST

خطیب اعظم کا آخری سفر

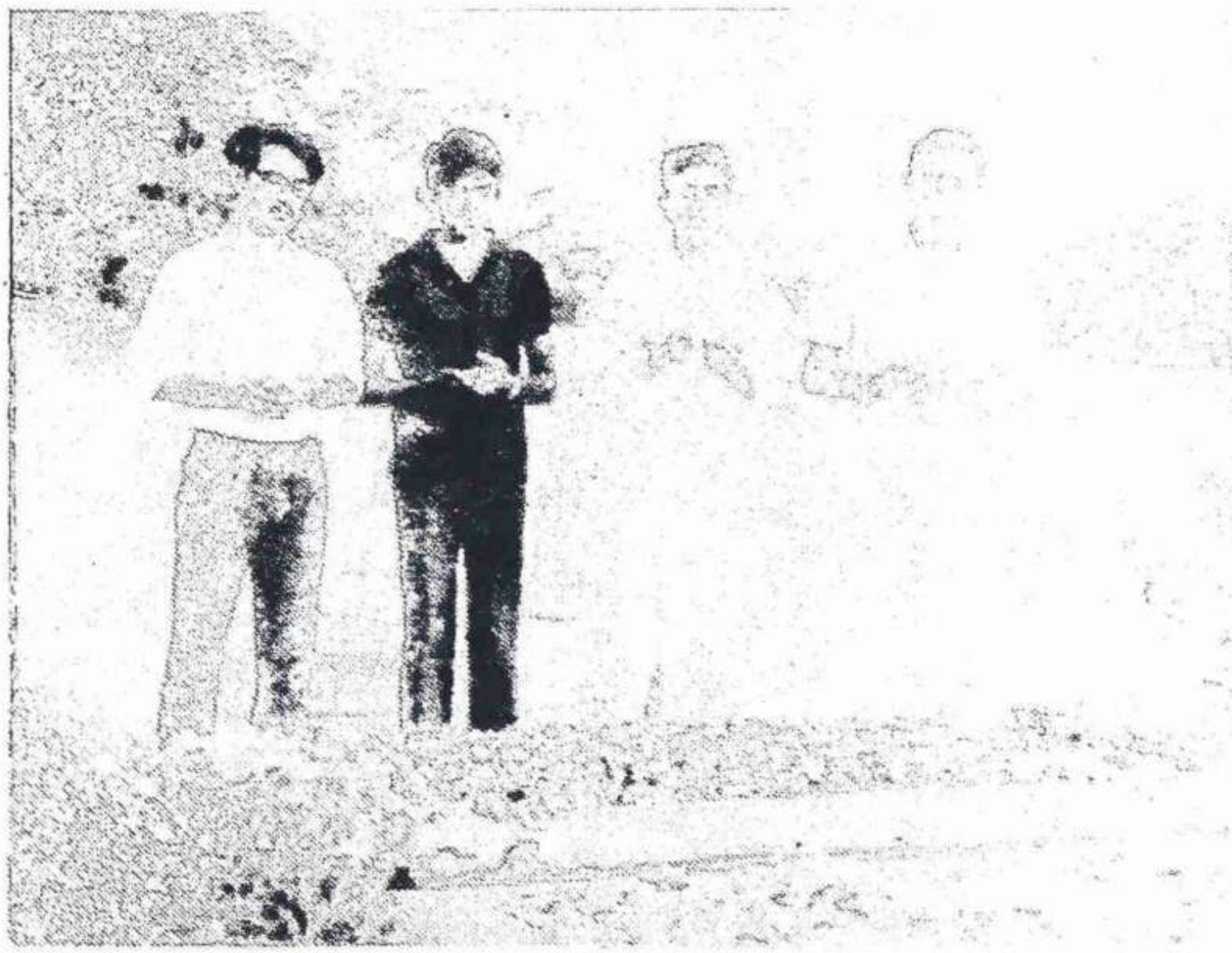

مزار خطیب اعظم پر اہلِ خاندان اور روشن علی بھائی فاتحہ پڑھ رہے ہیں۔

خطیب اعظم اپنے والد کی قبر پر عمائدین دہلی کے ساتھ

خطیب اعظم اینگلو عربک کالج دہلی میں ساتھی اساتذہ کے ساتھ

حرفِ آغاز
و
اظہارِ تشکر

ہمارے والد بزرگوار حضرت خطیبِ اعظم اعلیٰ مقامہٗ کی وفاتِ حسرت آیات پر جن حضرات نے ہمارے ساتھ غمگساری اور دلجوئی کا اظہار فرمایا ہے۔ اس کے لئے ہم اور ہمارے تمام اہلِ خاندان تاحیات ان کے احسان مند رہیں گے۔

مرحوم کے احباب و اعزاء کا اصرار تھا کہ والدِ مرحوم کے چہلم کے موقع پر ان کے حالاتِ زندگی پر ایک تفصیلی کتاب شائع کی جائے۔ وقت کی تنگی اور اپنی بے بضاعتی کے پیشِ نظر یہ ممکن نہ تھا کہ تفصیلی کتاب شائع کی جاتی۔ اس وقت حتی المقدور اسی حد تک پیشکش ممکن تھی کہ مرحوم کے حالاتِ زندگی کے چیدہ چیدہ اوراق یکجا کر کے علماء کرام اور عمائدین کے تاثرات کے ساتھ ہم طبع کریں۔ جہاں تک قبلہ گاہی مرحوم کی تفصیلی سوانح حیات کا تعلق ہے اسکی ذمہ داری ادارہ یادگار خطیبِ اعظم نے قبول کر لی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ انشاءاللہ یہ ادارہ ایک مکمل اور جامع کتاب ان کی سوانحِ حیات پر مستقبل قریب میں پیش کرے گا۔

زیرِ نظر کتاب خطیبِ اعظم کی ترتیب و تدوین میں برادرم ضیاء الحسن موسوی نے جس خلوص و محبت، تندہی و کاوش سے ہماری مدد کی ہے ان کا اظہار نہ کرنا احسانِ ناشناسی ہوگی ان کی اس محبت کا اظہار آلِ عبقات کی والہانہ محبت اور شفقت ہے جو اس گھرانے کو والدِ

مرحوم کی ذات سے ہمیشہ رہی ہے ان کی امداد کے بغیر اتنے قلیل وقت میں اس کتاب کا شائع کرنا ہمارے لئے ناممکن تھا۔ جس کے لئے ہم ان کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں۔

ہم ان تمام علماء کرام، اہلِ قلم اور شعرائے عظام کے بے حد شکر گزار ہیں، جنھوں نے اپنی مصروفیات کے باوجود اتنے قلیل وقت میں اپنے گراں قدر خیالات و تاثرات تحریر فرمائے اور والد مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اپنے عنوانات سے روشنی ڈالی۔

ہم پاکستانی صحافت کے بھی انتہائی شکر گزار ہیں۔ ملکی اخبارات و جرائد، ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے خطیب اعظم اعلی اللہ مقامہ کے ساتھ ان کی زندگی میں اور ان کی وفات حسرت آیات کے بعد جس حقیقت شناسی کا مظاہرہ کیا ہے اس کے لئے ہم تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ وہ ہمارے شریکِ غم ہوئے۔

ہم ان تمام افراد قوم، علماء کرام، عمائدینِ ملت، اراکینِ انجمن، سیاسی اور سماجی اداروں کے سربراہ، مخلص احباب اور عزیزانِ گرامی سے انتہائی شرمسار ہیں۔ جن کے خطوط، تار اور تعزیتی پیغامات ہمیں موصول ہوئے مگر ہم فرداً فرداً ان کو جواب نہ دے سکے اور نہ انکا شکریہ ادا کر سکے۔

ہم ان سطور کے ذریعے ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ان بزرگوں سے معذرت خواہ بھی ہیں جن کے تاثرات تاخیر سے موصول ہونے کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے یا صفحات کی تنگی کی وجہ سے پورا مقالہ درج نہ ہو سکا اور اس کے اقتباسات شامل کئے گئے۔

سوگواران

سید احمد جوہر
سید محمد رضا
(پسران خطیبِ اعظم)

مرتبہ سید اعجاز حسین بی۔اے۔بی ٹی

خطیب اعظم کی مختصر تاریخ حیات

(سنہ ۱۹۳۶ء میں انجمن وظیفۂ سادات و مومنین کی سلور جوبلی منائی گئی تو اس موقع پر ایک خصوصی سلور جوبلی نمبر شائع ہوا جس میں ممتاز ممبروں کے حالات اور تصاویر شامل تھیں۔ اس نشریہ میں خطیب اعظم کے حالاتِ زندگی کے متعلق حسب ذیل مقالہ شامل ہے جو سید اعجاز حسین صاحب رضوی بی اے۔ بی ٹی کا مرتبہ ہے یہ حالات تقریباً کل کے کل ایک کتاب "تذکرۂ بے بہا فی تاریخ علماء" سے ماخوذ ہیں جو مولانا سید محمد حسین نوگانوی کی مشہور تالیف ہے (مطبوعہ برقی پریس ۱۳۱ء)

اس تاریخی مواد سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۳۶ء سے قبل ہی خطیب اعظم برصغیر کی ایک ممتاز علمی اور قومی شخصیت قرار پا چکے تھے۔ ذیل میں سلور جوبلی نمبر انجمن وظیفۂ سادات کا پورا اقتباس پیش کیا جاتا ہے)

آپ جناب مولوی آفتاب حسین صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہٗ کے فرزند اکبر ہیں۔

پیدائش:۔ پیدائش آپ کی ہنیں ہٹری ضلع بجنور میں ہوئی اور تربیت دہلی میں ابھی آپ صغیر السن تھے کہ آپ کے والد ماجد نے رحلت فرمائی۔

تعلیم و تربیت:۔ آپ شمس العلماء مولوی سید عباس حسین صاحب جارچوی نبلہ اعلی اللہ

مقامہٗ کی خدمت میں بغرض تعلیم بھیج دیتے گئے اور محض شوق ترقی تعلیم دینی میں آپ کی والدہ محترمہ نے قبلہ وکعبہ کے چہلم کے ایک دن بعد اپنے پارۂ جگر کو اپنے سینے سے جدا کر دیا اور اس نیک بی بی کے ایثار کا ثمرہ ہے جس سے تمام ہندوستان آج فیض پا رہا ہے، مگر افسوس کہ ایک سال بعد آپ پر پھر رنج والم کا پہاڑ ٹوٹا، اور صغیر السنی میں والدۂ محترمہ کا داغ اٹھانا پڑا اور اس سانحہ کی وجہ سے پھر تعلیم ترک ہوگئی۔ مراسم عزا سے فارغ ہو کر جب آپ دہلی تشریف لاتے تو جناب مولوی مرزا محمد حسن صاحب مرحوم نے جو ایک نہایت متقی اور پرہیزگار عالم باعمل تھے اور مولوی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہٗ کے فدائی دوستوں میں سے تھے۔ آپ کو دہلی سے جدا کرنا گوارا نہ فرمایا، اور علامہ زنگی پوری مولوی السید محمد ہارون صاحب قبلہ مرحوم جو آپ کے والد ماجد کی جگہ عربک اسکول میں صدر مدرس علوم مشرقی قرار پائے تھے۔ ان کی خدمت میں سپرد فرما دیا جہاں کافیہ تک آپ نے تعلیم حاصل کی۔ خداداد ذہانت اور ذکاوت کسی جامع العلوم درسگاہ کی خواہشمند تھیں، اور ذوقِ علم چاہتا تھا کہ مجمع طلباء میں جوہر ذہانت ومحنت دکھائے جائیں۔ اس امر نے دہلی سے دل برداشتہ کر دیا۔ اس وقت عجیب گومگو کی حالت تھی۔ ادھر تو دہلی کی تعلیم سے دل برداشتہ ادھر فقدان سامانِ تعلیم لیکن خدا خود میر ساماں است ارباب توکل را مردے از غیب آید والا مضمون ہوگیا۔ جناب سید محمد باقر مرحوم انسپکٹر پولیس جو ضلع انبالہ کے مشہور خاندانِ سیادت کے ایک فرد اور نہایت متقی پرہیزگار پابند صوم وصلوٰۃ تھے اور خصوصیت سے مولوی سید آفتاب حسین صاحب قبلہ مرحوم کے محب خالص اور بہت زائد عقیدت مند تھے۔ دہلی تشریف لائے تو ان حالات پر مطلع ہو کر بے حد روئے۔ اسی دن مولوی صاحب موصوف کو بلا کر فرمایا کہ میاں میں تمہارے والد کا نیازمند اور خالص دوست ہوں اور تم بجائے فرزند ہو، اگر یہاں تمہارا دل نہیں چاہتا تو کہیں اور چلے جاؤ اور اپنے والد کا نام روشن کرو۔

لکھنؤ میں:۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو دن بعد آپ لکھنؤ روانہ ہو گئے اور سرچشمۂ علم وحکمت دارالعلوم مدرسہ ناظمیہ میں پہنچ گئے۔ حضرت نجم العلماء نے نہایت شفقت سے آغوش

تربیت و علم میں لے لیا۔ آپ چار سال تک وہاں مقیم رہے۔ رفتارِ تعلیم چونکہ بہت سست تھی اس لئے آفتاب دین کی اعظم ترین شعاع یعنی جناب حضرت قبلہ و کعبہ جناب مولوی سید مقبول احمد صاحب مرحوم اعلی اللہ مقامہ نے آپ کو رام پور بلالیا اور اثناد دوران جناب شیخ محمد لبیب عرب مکی مرحوم کی خدمت میں تحصیلِ علم کے لئے بھیج دیا۔ اسی بے مثل عالم کی خدمت میں رہ کر علوم شرقیہ کے تمام امتحانات دیتے اور فراغت پاکر دہلی تشریف لے آئے۔ عربک کالج دہلی میں۔ حسن اتفاق سے اس زمانے میں عربک اسکول کے سیکرٹری آقائے نواب سید امراؤ مرزا مرحوم تھے۔ مرحوم شیعانِ دہلی کے سردار اور بڑے قبلہ و کعبہ مرحوم کے شاگرد تھے اور اول سے مرحوم کا یہی قول تھا کہ اس جگہ کے حقدار مولوی سید محمد صاحب ہیں۔ جس دن خدا نے ان کو کسی قابل کر دیا۔ میں یہاں بلالوں گا۔ ہو بہو یہی ہوا۔ کہ فراغ تعلیم کے بعد ہی ارباب مدرسہ کے سامنے یہ صورت پیش کی گئی اور جناب ہیڈ ماسٹر فضل الدین صاحب بی اے۔ نے جو اس زمانے میں ہیڈ ماسٹر تھے اور قبلہ و کعبہ مرحوم کے احباب میں بھی تھے۔ مولانا کے علم و فضل پر مطمئن ہو کر اس تقرر کو منظور فرمالیا اور اتنی گردشوں کے بعد یہ فرزند آفتاب اپنے مطلع پر پہنچ گیا۔ خداداد قابلیت، فصاحت بیان، اور حسن بیان تبحر علمی نے اپنے جوہر دکھانے شروع کر دیئے اور آوازۂ تقریر و وعظ مشرق و مغرب میں پھیلنے لگا، اور قوم نے اس قدر پسند کیا اور عروج پایا کہ کثرتِ مجالس سے ہوش آنا مشکل ہو گیا۔ اہل دہلی کے لئے مولوی سید آفتاب حسین صاحب قبلہ کی ذات اور مولوی سید مقبول احمد صاحب جیسے مقبول عالم کی ذات کیا کم تھی کہ اس منبر کو اس ذات سے اور معراج مل گئی۔ اہلِ دہلی کی مسرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک بہت عظیم الشان مجلس کے دوران میں ابو العلم سید منیر صاحب منیر نے مولانا کی شان میں ذیل کا قطعہ پڑھا۔ ؎

ظاہر و باطن ہیں یہ مثل مثیل آفتاب

مولوی سید محمد ہیں عدیل آفتاب

چوم کران کے قدم کہتی ہے دہلی کی زمین
سچ کہا ہے آفتاب آمد دلیل آفتاب

تو تمام مجمع انتہائے جوش میں تڑپ اٹھا اور کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جس میں مرحوم کو یاد کر کے آنسو نہ بھر آئے ہوں۔

حسن اتفاق سے اسی زمانے میں جناب مولوی صاحب قبلہ بمبئی تشریف لے گئے۔ اس قدر مقبول عام مجالس ہوئیں کہ آج نو سال کا عرصہ ہونے کو آیا۔ اہلِ بمبئی نے آپ کو نہ چھوڑا۔

قومی خدمات:۔ ہندوستان میں ایسی عظیم الشان مجلس دوسری جگہ نہیں ہوئی کہ جس میں بیک وقت دس ہزار آدمیوں کا مجمع اور آلۂ مکبّر الصوات (لاؤڈ اسپیکر) لگایا جاتے عام اہلِ بمبئی مولانا کے ایثار، جوشِ ایمانی قوتِ بیاں پر فدا ہیں اور جس قدر عزت دیکھنے والوں نے وہاں مولانا کی دیکھی وہ ابھی تک کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ مولوی صاحب کی سعی فی الدین کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ آپ ہمیشہ اپنی تعطیلات میں دس بارہ ہزار میل کا سفر فرماتے ہیں اور تشنگانِ علم وحکمت انہی ایام گرما میں مولانا کے سننے کے لئے مجالس برپا کرتے ہیں۔ اس امر اور اس جوانی میں اس قدر عروج ہندوستان میں کسی واعظ کو نصیب نہ ہوا۔ ذلک فضل اللہ مولانا کے اثر اور علمی قابلیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب اسکول کو ترقی دے کر ڈگری کالج بنایا گیا تو ہر علم کے لئے مستند پروفیسر بلائے گئے۔ مسٹر داکر صاحب پرنسپل اور میر محمد حسین صاحب موجودہ سیکرٹری عربک کالج نے عربی کا پروفیسر آپ ہی کو مقرر فرما دیا۔ غرض مولانا کے موصوف کا ایثار اور دینی خدمات اور بے لوث سعی ایسی چیز ہیں جس سے شیعی دنیا کا بچہ بچہ واقف ہے، آپ کی علمی خدمات پر دہلی کی مساجد اور سادات بارہہ کے بچوں کے لئے بارہہ بورڈنگ ہاؤس بہترین سند ہیں۔ خداوند کریم آپ کے علم وفضل میں بیش از بیش اضافہ فرمائے۔ اور قوم کو آپکے بیان اور دینی خدمات متمتع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ نے حیدرآباد دکن میں سال گذشتہ جو معرکتہ الآرا مجالس پڑھی ہیں۔ وہ ناقابل فراموش ہیں۔ پہلی مجلس میں خود ہز ہائی نس حضور

نظام حیدر آباد دکن تشریف رکھتے تھے۔ جناب قبلہ و کعبہ کا بیان اس قدر مقبول و پسند ہوا کہ حضور نظام بالقابہٗ نے آپ کو اپنے دولت کدہ پر بُلا کر بہت دیر تک مذہبی مسائل پر گفتگو فرمائی اور سو روپے ماہوار وظیفہ تاحیات مقرر فرمایا۔ آپ انجمن وظیفہ سادات مومنین کی کارکن کمیٹی کے ممبر سنہ ۳۲ میں تھے۔ آپ کی ذات سے انجمن کو بہت امداد ملی ہے۔ آپ اگست سنہ ۳۱ سے انجمن کے ممبر ہیں اور انجمن کے کاموں میں خاص طور سے دلچسپی فرماتے ہیں۔ میرٹھ کی مجالس میں جب کہ خاکسار نے تقریر کی درخواست کی تو آپ نے میرا سامعین سے تعارف کرایا اور دس منٹ تقریر کرنے کے لئے مرحمت فرماتے۔

دو بھائی   خطیب اعظم اور سرکار سعید الملت اعلی اللہ مقامہٗ

(جناب مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی)

شہرت کے پچاس سال

خطیب اعظم کی مشہور تصنیف "نور العفر" پر مقدمہ لکھتے ہوئے مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب فاضل لکھنوی نے خطیبِ اعظم کی حیات و خدمات کے متعلق بہت سی معلومات جمع فرمادی ہیں۔ ذیل میں اس مقدمہ کا ضروری اقتباس پیش خدمت ہے۔

جناب خطیب اعظم سید محمد صاحب قبلہ کے کم و بیش پچاس سال شہرت اور ناموری کے آفتاب نصف النہار میں گذرے اور برصغیر کا کوئی شہر ایسا نہ ہوگا جہاں موصوف نے خدمتِ دین اور تبلیغ مذہب کے لئے سفر نہ کیا ہو، ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی اور دوسرے مذہبوں کے ماننے والوں نے آپکی خطابت، دلکشی بیان، حسن تقریر اور اندازِ واعظ کو والہانہ پسندیدگی کے ساتھ دیکھا اور ہمیشہ تاثیر کا اقرار اور اثر کا اظہار کیا۔

مولانا سید محمد صاحب کے والدِ بزرگوار جناب مولانا سید آفتاب حسین صاحب اور ان کے والد جناب سید غازی الدین حسین صاحب پنین ہیڑی ضلع بجنور کے باوقار زمیندار تھے۔ وہ اپنے علاقے میں حاکمانہ اعزاز اور پُرخلوص محبتوں کے مالک تھے، اس عہد کی رسم کے مطابق صاحبانِ دولت علم و دین سے شغف رکھتے تھے۔ خاص کر دیندار خاندانوں میں

اولاد کو تبلیغ مذہب کا شوق دلایا جاتا تھا۔ جناب مولانا آفتاب حسین مرحوم بھی دولتِ دنیا کے باوجود علم دین کے شوقین تھے۔ موصوف نے میراں پور اور مدرسہ منصبیہ میرٹھ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی لاہور سے عربی کی سند مولوی فاضل حاصل کی اور مولف تذکرہ بے بہا کے بقول آپ متحدہ پنجاب میں اوّل آئے۔

آغازِ جوانی ہی میں خطابت کا شوق ہوا، اور اپنی ذہانت اور ذکاوتِ علم وفضل کمالِ خطابت اور خلوص نیت کی بدولت اپنے عہد کے عظیم واعظ مانے گئے۔ معاصر شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ایک خاص طرزِ بیان کے موجد تھے۔ اہل سنت اور غیر مسلم حضرات بھی آپ کی تقریر کے گرویدہ تھے۔ دہلی میں آپ کے قیام سے مسلمانوں کو عموماً اور شیعوں کو خصوصیت کے ساتھ بڑی ڈھارس تھی۔

مولانا آفتاب حسین نے دہلی میں تبلیغ واصلاح کے لئے بہت سے اقدامات کئے۔ جن میں سے نواب سلطان مرزا خان کی امداد سے ایک دینی مدرسہ اور انجمن شیعتہ الصفار کا قیام بھی ہے۔ دہلی عربک ہائی اسکول میں السنۂ شرقیہ کے مدرس اوّل ہونے کے باوجود ان کی دینی سرگرمیوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ انھوں نے دہلی کے شیعوں میں بیداری کی روح پھونکی اور علم دین کی طرف مائل کرنے میں بڑی کامیابی حاصل کی۔

شہر دہلی میں اور دوسرے شہروں میں آپ کی حیثیت شیعہ زعیم اور مذہبی رہنما کی تھی۔ آپ کے اور کارناموں کے ساتھ جناب مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ مرحوم کا اپنے آبائی مذہب اہل سنت کو چھوڑ کر مذہب شیعہ اختیار کرنا ایک ناقابلِ فراموش واقعہ ہے۔ مولانا آفتاب حسین صاحب قبلہ مرحوم نے مولانا مقبول احمد صاحب مرحوم اعلی اللہ مقامہٗ کو خطابت کی طرف مائل کر کے مذہب حق کی بہت بڑی خدمت انجام دی۔

مولانا آفتاب حسین صاحب قبلہ (بقول مولانا محمد حسین صاحب مولف تذکرہ بے بہا) ۱۳۲۱ھ میں رحلت فرما گئے اور جناب مولانا محمد کامل صاحب اعلی اللہ مقامہٗ نزہتہ اثنا

عشریہ کی قبر کے سرہانے پنجہ شریف دہلی میں محو آرام ہوئے۔

مولانا سید محمد صاحب اس وقت کم عمر تھے۔ والد کی رحلت کے بعد آپ نے اپنی خاندانی روایات کا احترام کیا اور کم سنی ہی سے علم و عمل، درس تدریس اور خطابت و تبلیغ کا شوق رہا رام پور اور جامع ناظمیہ لکھنؤ میں تعلیم حاصل کر کے دہلی کے عربک ہائی اسکول میں کرسی درس پر فائز ہوتے اور اپنے والد مرحوم کے فرائض تدریس انجام دینا شروع کئے۔ اہلِ دہلی سے بچپنے اور عنفوانِ شباب ہی میں اعزاز و شہرت حاصل کر لی تھی۔ ان کی بات میں وزن اور احکام میں احترام ہوتا تھا۔

مجالس اور محافل سیرت میں ان کی تقریر بڑے سے بڑے خطیب سے بہتر مانی گئی اور عمر کے ساتھ ساتھ مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا۔ ان کی باغ و بہار طبیعت اور صلاحی خیالات، ان کی خطابت میں نمایاں ہوتے تھے۔ دو، دو، تین، تین گھنٹے ممبر پر بولتے تھے اور مجمع مسحور بیٹھا سنا کرتا تھا وہ جہاں جاتے قرب و جوار کی آبادیاں امنڈ کر مجلس میں جمع ہو جاتی تھیں۔ ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں طویل سے طویل تر تقریر سننے والوں کی طبیعت سیر نہ ہوتی تھی۔ پر لطف تقریر بات بات میں ہنسانا اور ہنسی ہنسی میں کام کی بات کہہ جانا، ان کا فن ہے۔ سادی زباں میں روزمرہ کی باتوں کو یوں بیان کرتے ہیں کہ اصولِ مذہب اور فضائل محمد و آل محمد میں اتر جاتے ہیں اور ذہن کو تازگی بخشتے ہیں۔

مولانا سید محمد صاحب اب سے پچاس برس پہلے شیعوں کی قومی ضروریات اور ملت حقہ کی تنظیم کے داعی ہیں، وہ باعزت زندگی، گزارتے رہے، لالچ سے دوری اور استغنا کی وجہ سے ہر شخص ان کی طرف جھکتا ہے، طبیعت داری اور بے ساختگی کی وجہ سے نظام دکن میر عثمان علی خاں صاحب مرحوم سے میجر مبارک علی شاہ تک ان کے گرویدہ ہیں۔ وہ جہاں جاتے ہیں شیعوں کی فلاح و اعزاز کی ہی بات کرتے ہیں۔ انھوں نے ساداتِ بارہہ کے لئے ایک شایان شان بورڈنگ خود ان ہی سے بنوایا۔ بمبئی میں قیصر باغ جیسی تعمیر انہی

کی پرخلوص جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ دہلی ہال اور جھنگ کا یتیم خانہ مولانا ہی کے جذبہ فراواں کا ثمر ہے۔

خطیب اعظم نے برصغیر میں مقبولیت وعزت کے پچاس سال فقط خطابت کے سانچے میں نہیں گزارے انھوں نے دہلی کے شیعہ مساجد واوقاف کو منظم کیا اور لکھنؤ کے تاریخی ایجی ٹیشن میں بے مثال خدمات انجام دیں۔ وہ سرکار ناصر الملّت اعلی اللہ مقامہٗ کے ہراول دستہ کے جانباز سپاہی اور قوم کے محترم رہنما تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے برصغیر میں عموماً اور خصوصاً جس دوراندیشی اور مخلصانہ مساعی سے بیداری کی لہر دوڑائی۔ اسے جناب مولانا ظفر مہدی صاحب قبلہ مرحوم اور جناب مولانا حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ بھی انتہائی قدر وعظمت کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔

آج بھی ستر برس کی عمر میں اپنی جواں ہمتی اور بہادرانہ پامردی کے ساتھ ایک انتھک سپاہی، ایک بے پروا مجاہد اور ایک نڈر قائد کی طرح پوری قوم کی قیادت فرما رہے ہیں اور مولانا کی پسند وناپسند کا خیال کئے بغیر یہ کہنے میں باک نہیں رکھتا کہ انھوں نے شیعوں کی اس افراتفری، نفسانفسی اور کسمپرسی میں انھیں منظم کیا، ان کے دل کی آوازوں کو فضا میں پھیلایا، انھیں سہارا دیا اور توفیقات الٰہیہ سے ان کی تمناؤں کو ایسے راستے سے آشنا کیا کہ اگر خدا نے چاہا تو بہت بڑی کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔ آج پورا ملک ان کی خدمتوں کو سراہ رہا ہے اور ان کی ضعیفی کمزوری اور علالت کو دیکھ کر ہر شخص سوچنے پر مجبور ہے کہ ایک نوجوان بھی اس سے زیادہ محنت کیا کرتا۔

اطال اللہ بقاءھم وزاد اللہ توفیقاتھم

مولانا سیّد محمد صاحب قبلہ عمر کی اب ان منزلوں میں ہیں کہ آرام فرماتے، بہن اور بھائی کی مفارقت، اہلیہ کی رحلت اور صحت کی جدائی نے انھیں بہت کمزور کر دیا ہے لیکن وہ اپنے مقصد اور نصب العین سے غفلت برتنا گناہ سمجھتے ہیں۔ قومی مطالبات کے

کے سلسلے میں ان کی جد وجہد ایک طرف اور تبلیغ حق کے لئے مطالعہ اور قلمی کاوش دوسری طرف وہ مثالی عمل ہے۔ جس سے ملّت کے جوانوں کو سبق لینا چاہیئے۔

(۲)

مولانا سیّد محمد صاحب کراچی میں قیام فرما رہے ہیں اور قومی خدمات سے جو وقت بچتا ہے۔ وہ مطالعہ میں گزارتے ہیں۔ انھوں نے ملک کے بڑے سے بڑے بنی اور پبلک کتب خانے دیکھے ہیں، خدا بخش کی لائبریری اور حیدر آباد دکن کے علمی خزانے، رامپور کے ذخیرے اور لکھنؤ کے مشہور و معروف تحقیقی مراکز میں وقت گزارا ہے۔ بڑے بڑے علماء اعلام سے فیض اٹھایا اور خود بھی اچھے خاصے کتب خانے کے مالک رہے۔ آج بھی ان کے پاس لٹ جانے کے باوجود بہت قیمتی ذخیرہ کتب موجود ہے۔

مولانا مدظلہٗ مجھ سے بارہا خواہش کا اظہار فرما چکے ہیں کہ انھوں نے اپنے طویل سفروں اور ایران و عراق، پاک و ہند کے کتب خانوں سے جو کچھ فائدہ اٹھایا ہے اور جو حوالے اور نوٹ محفوظ کئے ہیں انھیں ترتیب دیں۔ مگر ان کی مصروفیت تصنیف و تالیف کا وقت کہاں دیتی ہے پھر قوم کو اب وہ ذوق و شوق بھی نہیں کہ اس قسم کے کام کرنے کے لئے وقت و سکون کی فراوانی مہیا کرے اور پھر جو کام پیش کیا جائے اس کی قدر کرے۔ اس حوصلہ شکن ماحول میں مولانا نے اپنے طبعی استغناء سے متاثر ہو کر عقیدۃ وجود حجت پر اپنے جمع کردہ مطالعہ کو سمیٹا اور مختلف لمحات فرصت میں مرتب کر کے کتاب کی شکل دی۔

اس کتاب میں قرآن مجید، تفسیر، حدیث، عقائد، کلام اور آسان فلسفہ دیانت کے حوالے ہیں مسلمانوں کے مسلمات اور اکابر علماء اسلام کے ارشادات ہیں۔ سادی اور مضبوط، عام فہم اور نتیجہ خیز دلیلیں ہیں۔ عقل کی روشنی میں مذہب شیعہ کے عقائد کا بیان ہے۔ آیات کے فیضان سے امامت پر استدلال ہے اور قرانی شواہد کی امداد

سے لوگوں کو حضرت امام آخرالزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت کے لئے دعوتِ فکر دی ہے۔ معقول حقائق کے لئے مواد مہیا کیا اور بات سمجھنے کے لئے قندیلِ نور روشن کی ہے۔

قطعاتِ تاریخی

از جناب سید محمد سبطین نقوی امروہوی

ملّت شیعہ کے رہبر ذاکرِ آلِ رسول
ہو کے رخصت دارِ فانی سے چلے سوئے جناں
مصرعۂ تاریخِ رحلت ہے یہ سبطین حزیں
خلد میں سیّد محمّد با محمّدؐ شادماں

۱۳۹۱ھ

از جناب مولانا سید محمد ہادی سرسوی

دریغا کہ علامہ سیّد محمد زدارِ محن شد سوئے دارِ راحت
غریقِ اَلم کلکِ خونبار ہادی نوشتہ (لہٗ المغفرہ) سالِ رحلت

۱۳۹۱ھ

از جناب مولانا سیّد محمد رضی صاحب قبلہ مدظلّہٗ
(نبیرۂ سرکار نجم الملّت اعلی اللہ مقامہٗ)

ایک مثالی شخصیت

خطیب اعظم مولانا سید محمد صاحب دہلوی طاب ثراہ کی وفات دنیائے علم وخطابت کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے۔ موصوف کی مثالی شخصیت اپنی ہمہ گیری بلندیوں اور خوبیوں کی وجہ سے مسلمانوں کے تمام علمی طبقوں میں مقبول تھی۔

میں نے جہاں تک باخبر حلقوں سے سنا ہے اُن کی عمر وقتِ وفات تقریباً اسّی سال کی تھی۔ اپنی ابتدائی تعلیم وتربیت کے زمانے میں انہوں نے دہلی سے لکھنؤ جاکر مدرسۂ ناظمیہ جیسے بلند پایہ علمی مرکز میں میرے جدِ معظم سرکار نجم العلماء کے زیرِ سرپرستی وہاں کی درسیاتی سند "قابل" تک درسِ نظامی کی تکمیل فرمائی اور خود اس درسگاہ کے سربراہ سرکار مرحوم سے بھی شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ اس کے بعد موصوف رامپور چلے گئے تھے اور وہاں تحصیلِ علم میں مشغول رہے۔ لکھنؤ کے زمانۂ قیام میں انھوں نے مدرسۂ ناظمیہ کے علاوہ کسی اور درسگاہ میں تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ ناظمیہ کے اس فخرِ روزگار فرزند کے علمی جوہر کھلنے لگے اور بالآخر وہ ستارہ جس نے ناظمیہ کے نیّرِ اعظم سے کسب نور کیا تھا خود بھی علم وخطابت کے فلک پر ماہ مبین بنکر ضوفشانی کرنے لگا۔

مولانا مرحوم کے اندازِ خطابت کو عام اور خاص ہر حلقۂ فکر ونظر میں جو بے پناہ

مقبولیت حاصل ہوئی اس کی کوئی دوسری مثال مجھے نہیں ملتی۔ ان کے طرزِ خطابت کا ایک بڑا امتیاز یہ تھا کہ وہ مشکل ترین علمی مسائل کو اس طرح انتہائی دلچسپ اور آسان طریقے سے سمجھا دیا کرتے تھے کہ سننے والوں کی طبیعت پر ذرا سا بھی بار نہ ہوتا تھا اور ایک لمحہ کے لئے بھی مجمع کی مسحوریت میں کوئی کمی نہیں پیدا ہوتی تھی۔ میں نے لکھنؤ، فیض آباد، میرٹھ اور بعض دوسرے مشہور مقامات پر مولانا موصوف کی یادگار تقریریں خود بھی سُنی ہیں جس کے مناظر میرے حافظہ میں ایک خوشنما خواب کی طرح محفوظ ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب تک اُن کی آواز میرے سامعہ میں گونج رہی ہے۔ اُن کے انداز بیان میں کسی قسم کے تصنّع اور بناوٹ کا کبھی شائبہ تک نہیں آنے پایا اور نہ کبھی انھوں نے علم و خطابت کو ذاتی نام و نمود اور دنیا طلبی کے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک قوم اور دینِ حق کی خدمت کرنے میں بغیر کسی دنیوی طمع کے مشغول اور سرشار رہے اور اپنے بعد دنیائے فکر و عمل کے لئے ایک نہ مٹنے والی تابناک مثال چھوڑ گئے جو اوراقِ تاریخ پر ہمیشہ جگمگاتی رہے گی۔

مجھے خوب یاد ہے یہ ۱۹۳۹-۴۰ء کا زمانہ تھا جب میں نجف اشرف (عراق) میں بغرض تحصیل علم مقیم تھا اور مولانا مرحوم وہاں مشاہد مقدسہ کی زیارت کے لئے گئے تھے۔ اس موقع پر میں نے علماء نجف کا اشتیاق محسوس کر کے ایک ممتاز علمی اجتماع کا انتظام کیا تھا جس میں مولانا مہمانِ خصوصی تھے۔ اس کے چند روز بعد اپنی نذر کو پورا کرنے کی غرض سے انھوں نے نجف اشرف سے کربلائے معلّٰے تک ریگستان کے راستے سے پیدل سفر کیا تھا۔ اس سفر میں مجھے بھی ان کی ہمراہی کی سعادت حاصل تھی۔ یہ غالباً ساٹھ میل کی مسافت تھی جسے ہم لوگوں نے تین دن میں طے کیا تھا۔ دن بھر چلتے رہتے تھے اور شب میں کسی ریگستانی سراب میں زمین پر سو رہتے تھے۔ مولانا کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے اس قدر طویل مسافت پیدل طے کی تھی۔ جب ہمارا قافلہ بنی اسد کے

تاریخی خطۂ زمین کی طرف سے کربلا پہنچا تو اس وقت مولانا موصوف کے دونوں پیروں پر اس طولانی راستہ کو طے کرنے کی وجہ سے بہت زیادہ ورم آچکا تھا مگر ایسی حالت میں وہ والہانہ انداز کے ساتھ حرم حسینی ؑ میں حاضر ہوئے اور پھر بارگاہ ابوالفضل میں شرفیاب ہوئے۔

کربلا میں قیام کے دوران انھوں نے زائرین کی بنا کردہ کثیر مجالس سے خطاب فرمایا مگر ایک یادگار مجلس اب تک میرے حافظہ سے محو نہیں ہوسکی جس میں اُردو سمجھنے والوں کے عظیم اجتماع کے علاوہ ایرانیوں اور عربوں کا بھی کافی مجمع تھا اسی مجلس میں اُس وقت کے مرجع تقلید مجتہد اعظم استاد معظم آیۃ اللہ الکبریٰ السید ابوالحسن الاصفہانی طاب ثراہ اور دیگر علماء اعلام بھی شریک تھے۔ ہر طرف سے مولانا کے حسنِ استدلال اور طرز بیان پر تعریف و تحسین کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ اُس سفرِ زیارت میں فخرِ قوم جناب سیٹھ حاجی داؤد ناصر صاحب جیسی علم دوست اور جوہر شناس شخصیت بھی مولانا کے ساتھ موجود تھی۔ حاجی صاحب ممدوح اُس زمانے میں وہیں تھے جب مولانا نے ہزارہا روپیہ سے سینکڑوں قیمتی کتابیں خریدیں جو مختلف علوم و فنون پر مشتمل تھیں جو اب اُس کتب خانہ میں موجود ہیں جسے انھوں نے اپنے دیرینہ دوست حاجی داؤد ناصر صاحب کے نام سے موسوم کیا ہے۔

مولانا مرحوم خوش اخلاقی، فیاضی اور مہمان نوازی میں بھی ایک مثال کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ ہمیشہ ہر شخص سے جھک کر ملا کرتے تھے اور ہر ایک سے سچّی محبت رکھتے تھے اور انتہائی خلوص سے پیش آتے تھے۔ ان کے مزاج میں غرور اور تمکنت کا ہلکا سا لگاؤ بھی نہ تھا۔ وہ اپنے تمام ملنے والوں کے دکھ درد اور مصیبت و راحت میں برابر کے شریک رہتے تھے۔ انھوں نے ہر موقع پر قربانی اور ایثار سے کام لیا اور کبھی اپنی ذات کو دوسروں کے مفاد پر مقدم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ متحدہ ہندوستان کے

مختلف مقامات کی شہرہ آفاق مجالس کے مواقع پر میں نے مولانا کے اس مثالی کردار کا خود مشاہدہ کیا ہے۔

حیدر آباد دکن میں بھی کچھ روز میرا اور مولانا موصوف کا ساتھ رہا تھا۔ کنگ کوٹھی میں کئی مرتبہ میں نے اور انھوں نے اعلیحضرت سلطانِ دکن سے ایک ساتھ ہی ملاقات کی۔ مجھے شاہی عزاخانہ کا ایک خاص موقع پوری طرح یاد ہے جب حضرت سید الشہدا علیہ السلام کی رسم سوم کی انجام دہی کے سلسلہ میں موصوف کو اور مجھے طلب فرمایا گیا تھا میں تو عشرۂ محرم پڑھنے کے لئے پہلے ہی سے وہاں موجود تھا اور مولانا مجالس عشرہ پڑھکر بمبئی سے ہوائی جہاز کے ذریعے وہاں تشریف لے گئے تھے۔ اس وقت حضور نظام کے ساتھ ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور شخص موجود نہ تھا۔ حضور نظام کے اندازِ کلام سے میں نے پوری طرح محسوس کیا کہ ان کے دل میں مولانا کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ مولانا دہلوی ایک ایسا موضوع قلم ہیں جس پر ایک مختصر مضمون کیا بلکہ ایک مبسوط کتاب بھی لکھی جاسکتی ہے جو آئندہ نسلوں کے لئے ایک بیش بہا سرمایہ ثابت ہوگی۔ علم و عمل، اخلاص و محبت اور قلم و زبان کی کرشمہ سازیاں کا ایک سورج تھا جو غروب ہوگیا — ایک فرد نہیں بلکہ ایک بھری محفل تھی جو نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ علم و تحقیق اور تفسیر و خطابت کا ایک خزانۂ عامرہ تھا جو قبر کی آغوش میں چلا گیا۔ تحمل اخلاق اور حسنِ کردار کا ایک منارہ تھا جو پردہ پوش ہوگیا۔ ہمارے خطیب اعظم کو موت کے بے رحم ہاتھوں نے ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔ مگر نہیں! ہرگز نہیں! وہ ہم سے کبھی جُدا نہیں ہو سکتے۔ وہ اب بھی زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ انہوں نے لاکھوں مُردہ قلوب کو اپنے علم و عرفان سے حیاتِ نو بخشی تھی، انہیں موت کبھی نہیں آسکتی وہ زندۂ جاوید ہیں ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

از جناب مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ مدظلہ (آل حضرت غفرآں مآب)

خطیب اعظم کی علمی خدمات

آنکہ بصد زباں سخن میگفتند　　آیا چہ شنیدند کہ خاموش شدند

حضرت مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ شمس العلما جبکہ ذاکری میں کمالات کی ہمہ گیر روح پھونک چکے تھے اور قدیم خطابت کی بساط الٹ چکی تھی محدثین میں چند ٹمٹماتے ہوئے ستاروں کی روشنی ماند ہو رہی تھی اوسوقت اساتذہ کی زندگی ہی میں مولانا سید محمد صاحب دہلوی نے مسندِ خطابت پر قدم رکھا تقریر کے عام فہم ہونے ریاضت کشی استغنائی نے تھوڑے ہی عرصے میں بام ارتقا تک پہنچایا میں نے ۱۹۱۷ء میں اخبار اتحاد امروہہ کے صاحب الزماں نمبر میں اونکا مقالہ پڑھا ۱۹۲۵ء میں ملک کے سب سے بڑے مرکز تبلیغ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے سالانہ اجلاس میں اسٹیج پر تقریر سنی جو پہلی ملاقات تھی رفتہ رفتہ خلق محمدی نے روابط میں پختگی بخشی اور مجلسوں میں منبر سے اونکو مزید پہچانا ملک کے مشہور انشاء پرداز خواجہ حسن نظامی نے اپنے وطن کا بہترین مقرر سمجھتے ہوئے خطیب اعظم خطاب دیا (ملاحظہ ہو رسالہ منادی دہلی جلد ۴۴ شمارہ ۲ صفحہ ۲۴) اس اعزاز کو اہل لکھنؤ نے دلی اور لکھنؤ کی نوک جھوک کو باقی رکھتے ہوئے قبول کیا اور ہر بزم میں وہ

خطیب اعظم کے لفظ سے یاد کئے گئے پرانی وضع کے علم نواز سامعین جو واعظین کی زبان سے متنِ حدیث کے الفاظ سنتے ہوئے ترجمہ سے پہلے داد دیتے تھے جب امتدادِ زمانہ سے اٹھتے گئے ذوقِ سماعت کا معیار جھک گیا مزاح کی چاشنی نے اس وقت سمجھنے میں سہولت پیدا ہونے کو برمحل بخشش ایزدی قرار دیکر جوق جوق مجمع ہونا شروع ہوا مقبرۂ جناب عالیہ گولہ گنج ۱۲ ربیع الاوّل کی مجلس، کربلائے امین الدولہ کا اجتماع عظیم، چہلم قدرۃ العلماءؒ میں حسینہ غفران مآب کا ہجوم فراموش نہیں ہوسکتا منبری کارناموں کی تفصیل کرنا موضوع سے خارج ہے لیکن علماء کے لئے علمی خدمات کا بہتر ذریعہ منبر ہے اور برّصغیر کے عروس البلاد شہر بمبئی میں مجالس سے تشنگانِ مذہب کو انھوں نے جس طرح سیراب کیا وہ تبلیغ دین کی یادگار ہے پارا چنار، کورم ایجنسی ایسے دُور دراز شہروں میں جہاں اُردو سے نابلد طبقہ واعظین سے جب ہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے جب وہ دل نشین اسلوب سے حقائقِ مذہب سمجھائے۔ ایسے مقامات پر مرنے والے نے بڑے آسان طریقے پر اساسِ شیعیت کو مستحکم کیا اور مصائب کی ادائیگی میں معیارِ خطابت کو پست ہونے نہ دیا کبھی اُن کا بیان ہم نے نہ مسموعات پر ختم ہوتے دیکھا نہ منظومات کو نثر کرنے کی روش اختیار کی جو کچھ وہ مطالعہ کے بعد دیانت سے سامعین تک پہنچاتے رہے مقاتل میں موجود اور مصادر میں ثبت ہے۔

سامعین تعریف کرنے والوں کی لپیٹ میں اُن کی ثناء نہیں کرتے تھے سمجھکر لطف اندوز ہوتے اور کسی جملہ کو لغت میں تلاش کرنے کی زحمت نہیں دی بچّہ بوڑھے عورتیں اُن کی تقریر دِل کے کانوں سے سُنتی رہیں اور آج ہر طبقہ میں بےچینی کی جو لہر دوڑ گئی ہے وہ انہیں خدمات کا اثر ہے۔

اہلِ علم سے تعاون

ناصح شیراز حافظ رحمت اللہ علیہ قوم کی نبض شناس میں بلند درجہ پر پہنچکر ضبطِ نفس پر قادر نہ تھے اور بےساختہ کہا القاص یحبّ القاص مراد اُن کی یہ تھی کہ ایک صنف اپنے ہم جنس کو برسرِ عزت دیکھ نہیں سکتی۔ رشک و حسد لازم ہے مگر خطیب اعظم وہ تھے رام پور کے قیام اور فروغ میں کوئی عالم ایسا نہ تھا جس کو سرکاری مہمان نہ بنادیا ہو اور بقول اُن کے مولویوں کے ڈھیر لگا دیئے افاضل کی بھیڑ تھی۔

تقسیم ہند کے انقلاب نے تفسیر رضوی کا منصوبہ پورا ہونے نہ دیا اس صدمہ کو وہ ہجرت کے بعد بھی نہ بھولے اور قرآن حکیم کی خدمت بڑے پیمانے پر کرنا چاہتے تھے غیر ذمہ دار اہل علم کے قلم سے تفسیر بالرائے کی وبا دیکھ کر اُن کے دماغ میں شانِ اہلبیتؑ میں جو آیتیں نازل ہوئیں اُن کو اسلامی طرق سے مستند تفاسیر و احادیث کی روشنی میں دوسرے اہلِ قلم سے یکجا کرنے کی خواہش کی اور (۱۸۰) آیات مفسرین کے اقوال کی روشنی میں جمع ہوئیں ۱۵۲ صفحات پر یہ زرّیں سلسلہ رکا مگر مشاغل نے مہلت نہ دی کہ وہ طبع ہوں۔

اس کے بعد ازواج نبیؐ پر ایک ضخیم کتاب دو حصّہ میں ترتیب دی گئی جس کا نام بھی اردو تھا اور تراجم بھی لکھنؤ کی فصیح زبان میں اس کتاب نے مصر، بیروت، لندن اور غیر ممالک کے مطبوعات کہنگال کر وہ حقائق ترتیب دیئے جو اس سے پہلے اردو کا جامہ پہن نہیں سکے تھے۔

تیسری کتاب کے دو محرّک اس طرح ہوئے کہ ائمہ طاہرینؑ اور حکّام جور میں موازنہ کر کے جس خصوصیت میں امام کا کمال ثابت ہو اس میں معاصر کی مدح اور دشمن کے صفت کمال سے معرا ہونے کا ثبوت ہر فضیلت کا عکس یہ ذخیرہ از ابتدا تا سفاح بنی عبّاس کے پہلے فرمانروا ۲۴۷ صفحہ فل اسکیپ سائز تک پہنچا تھا کہ دوسرے اہم قومی مسائل میں مصروفیت کا آغاز ہوا اور میں ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو کرسی سے اوٹھ کھڑا ہوا۔

یہ اُن کے علم افروز ذہن کی پرواز اور نوع پسند مزاج کے خالص موضوعات تھے جس پر کتب خانہ میں کام ہوتا رہا۔

تصانیف

میدانِ تالیف و تصنیف میں بھی وہ کسی سے کم نہ تھے اسلاف کے جہاد قلم میں تراجم کی اُن کو آرزو تھی خود سب سے پہلے مقتل ابو مخنف کا ترجمہ کیا جو اُن کے عہد شباب کی یادگار ہے میرے دوران قیام پاک میں حضرت ام المومنینؑ کی سیرت پر خود ایک کتاب لکھی جس کی ہر لفظ متانت میں ڈوبی ہوئی آئینہ حقیقت اور حفظِ مراتب کا اعلیٰ شاہکار اس موضوع پر کام ہونے کی بھارت میں مانگ تھی اور میرا خیال ہے کہ اس کو انڈیا میں چھپنا چاہیئے تھا۔

نورالعصر مکتبہ تعمیرِ ادب کی پیشکش ۳۶۴ صفحات پر اوسط تقطیع آپ کے سامنے ہے جو گوناگوں مصروفیت میں چھپی اور طبع دوئم کے لئے اضافات و تصحیح کے بعد رحلت فرمائی جو اُمید ہے کہ لاہور کا پریس دوبارہ طبع کرے گا۔ رسالہ جمعہ وہ عظیم تصنیف جس کی ترتیب و تدوین کی آرزو رہ گئی اور ۱۸ جولائی کو مجھے وصیت کی کہ میرے بعد طبع ہو یہ وہی شاہ کار تھا جس کے بارے میں ۸ مئی ۱۹۶۲ء کے نمبر میں محترم مدیر شیعہ لاہور نے صفحہ اوّل پر لکھا تھا کہ خطیب اعظم اپنی عمر میں یادگار تصنیف شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں"۔ یہ اُن کی وسعت مطالعہ کا نچوڑ اور کئی جلدوں میں اُن کی وہ یادداشت ہے جس میں مُفید مذہب ملّت موضوعات پر اسلامی کتب کے کئی کئی حوالوں کو جمع کیا ہے مثلاً" دعوتِ عشیرہ پر بحث، رکوع میں انگوٹھی دینا، حدیثِ منزلت، حدیثِ ولایت کے ثبوت جہاں جہاں دستیاب ہوئے جدید مطبوعات کے چشم دید حوالے یوں تو اُن کی بہ ڈائریاں ہیں مگر جس ذخیرہ کا میں ذکر کر رہا ہوں وہ یکجا ہو جائے تو ایک بسیط تصنیف قوم کے سامنے آئے اور واعظین کے علاوہ اہلِ قلم اُس سے مدد حاصل کریں یہ بکھرے ہوئے موتی ایک سلک میں منسلک ہوں جب دشمنانِ خاندانِ رسالت نے پناہ بخدا بزرگانِ دین پر شراب خواری کا الزام عائد کیا اس وقت بھی وہ خاموش نہ رہے قلم اُٹھایا اور اس شاہکار کی طباعت لاہور سے ابتک ہوئی۔ ممدوح نے جو لاتعداد مجلسیں دُنیائے اسلام میں پڑھیں اُن کے مسودات بھی موجود ہیں اور معلوم ہوا کہ اوقاتِ فرصت میں وہ اپنی تقریروں کو لکھتے جاتے تھے یہ طبع ہوں تو خطابت کے کمال کا مرقع ایک بار پھر دُنیا کے سامنے آجائے جن علم دوست احباب نے تقریریں ریکارڈ کی ہیں اُن کو بھی یکجا کرنا اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔

حج و زیارات

خداوند عالم نے آپ کو کئی مرتبہ زیارت عقیدات عالیات سے مشرف کیا اور حج کی سعادت بھی حاصل کی فی زمانہ اربابِ ثروت کے لئے مشہدِ مقدسہ کا سفر طیّارہ سے گزرنے میں آسان ہو چکا ہے اور وہ زمانہ گزر گیا جب دُور کا جہاز سے سفر ہوتا تھا اور چھ مہینہ میں اگر زائر منزل پہ پہنچا تو شکر ایزدی کیا ٹرانسپورٹ نے

اونٹ اور قاتزون پر سفر کرنے کو افسانہ قرار دیا ہم سیرت اسلام میں دیکھتے چلے آئے ہیں کہ بزرگان قوم پیدل حج کرتے تھے خطیب اعظم نے ۱۹۵۳ء کی زیارت میں اس سنّت صالحین کو بھی پورا کیا اور نجف اشرف سے کربلا پیادہ آئے خوجہ جماعت کا قافلہ آپ کی سرکردگی میں ساتھ تھا عراق کے بلند طبقہ افراد اور اہل علم وطلبائ نے استقبال کیا اس ایمان افروز منظر کو میں نے بچشم خود دیکھا اور اُن کی بلند ہمتی کی ثنا کی۔

زبردست علمی خدمت

اس سفر کا ذکر ہے کہ ایک کتب فروش کی دکان پر پہنچے کتابیں خریدنا چاہتے تھے تاجر نے بزرگان دین کی تصویریں دکھانا شروع کیں بڑے تپاک سے ہر فوٹو کو گویا سرکار دو عالم حضرت رسول خداؐ شیر خدا جناب علی مرتضیٰ روحی فداہ حسنین علیہما السّلام حضرت عبّاس و علی اکبرؑ جب اس کا ہنگا آپ کے سامنے آچکا تو بڑے اشتیاق سے پوچھا اور اللہ میاں کا فوٹو اس سوال پر وہ شرمندہ ہوا اور اُس کو صدق دل سے سمجھایا کہ جن ذوات مقدسہ کو تم نے نہیں دیکھا ان کی تصویریں بنانا اور فروخت کرنا اُن حضرات کی توہین اور گناہ ہے آئندہ ایسی حرکت نہ ہو، اُس نے توبہ کی۔

کتب خانہ

بڑی محنت اور عرق ریزی سے کتابیں حاصل کیں اعلیٰ قیمت پر خریدیں شوق زیادہ تر مطبوعات سے تھا اور خطی کتب کے قدردان نہ تھے پھر بھی لائبریری کے مخطوطات میں کئی حمائلیں بخط عرب اس جدول پر سونا چڑھا ہوا سرورق گُل کاری کا بہترین نمونہ ہے قلمی کتب میں آئینہ حق نما کا اس قدر خوشنما نسخہ جو سو برس سے پہلے کی تصنیف ہونے کے باوجود کہنگی کے آثار سے محفوظ اور معلوم ہوتا ہے کہ خوشنویس تحریر سے آج فارغ ہوا ہے اس نام کی چند کتابیں آثار سلف میں پائی جاتی ہیں اور یہ بتانا ضروری ہے کہ آپ کے مکتبہ میں آئینہ حق نما کس مصنف کا اثر خامہ ہے ایک آئینہ حق نما مولوی شاہ خلیل الرحمٰن جمالی سجّادہ نشین خانقاہ جمالیہ سرسادہ کا رشحہ کلک ہے مگر زیر نظر کتاب جلالت جناب غفران مآب اعلی اللہ مقامہٗ اور اُن کے تلامذہ واساتذہ کے واقعات کا وہ قابل اعتماد ذخیرہ ہے

جس کے تین نسخہ میرے علم میں ہیں پہلا نسخہ مکتبہ ممتاز العلماء واقع عقب مسجد تحسین چوک لکھنؤ میں جس کے زرد باڈر اسوقت نظروں کے سامنے ہیں اور وہ بحمدہ موقوفات میں وہاں موجود ہے دوسرا نسخہ مولوی حسین مرزا صاحب کوئی بزرگ جد مرحوم کے احباب میں تھے اُن کے پاس رہا۔ تیسرا نسخہ کتب خانہ زبدۃ العلماء معین المومنین سیّد علی نقی صاحب طاب ثراہ کے کتب خانہ میں تھا یہ کتب خانہ اب باقی نہیں خطیب اعظم کے مکتبہ کا نسخہ معرا ہے اور کوئی مہر کسی مالک کتاب کی صدر کتاب میں نہیں اپنی ندرت کے لحاظ سے یادگار ہے۔

کچھ متفرق کاغذات تھے جس کی ترتیب و تشکیل کا ارادہ پورا ہونے نہ پایا جس میں وہ اصل عرضداشت ہے جو امیر علی مرحوم نے آخری شاہ اودھ کو نظم کر کے بھیجی یہ جنگ آزادی کے مقالات میں اخبارات میں شائع ہو چکی ہے اور نامہ نگار نے قطع و برید کے بعد طبع کیا ہے کامل منظومہ صرف یہاں ہے۔ قدیم مطبوعات میں بھی بعض کتابیں اب کمیاب نہیں بلکہ عنقا ہیں اور کہیں وجود نہیں ہے چنانچہ دو مثنوی جعلی مطبع سلطانی کی چھپی ہوئی علم کلام کا وہ صحیفہ ہے جس نے بہادر شاہ ظفر کے دولت ایمان حاصل کرنے پر شبہات کو گرد و غبار سے پاک کر دیا۔

تبقاب کی رو میں شیخ گوہر علی مشیر کی یادگار تصنیف بھی اب کمیاب ہے ایک نسخہ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کے کتب خانہ میں اور ایک آپ کی الماری میں محفوظ تھا۔ لائبریری کی مایہ ناز کتابوں میں بہار ہند لغت مرزا محمد مرتضیٰ عرف مچھو بیگ کا ترتیب دیا ہوا پہلی جلد "ایندھن" کی لفظ تک پہنچی تھی اور باب الالف بھی ختم نہ ہوا تھا یہ تھیں اُن کے شوق کی کتابیں اب یہ کہہ کر قلم روکتا ہوں کہ خطیب اعظم علم کے فدائی تھے اُن کی عمر تمام تر علمی خدمات کے لئے وقف تھی وہ اپنے وجود کا واحد مقصد علمی تحقیقات کو قرار دے چکے تھے اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بحیثیت مجموعی اُنکی زندگی قابل تقلید نہیں بلکہ قابل رشک تھی جس بے غرضانہ طریقے سے انہوں نے قوم کی خدمت کی، اس کی مثال قوم کے اس قحط الرجال میں نہیں مل سکتی وہ تن تنہا مرکز ادب تھے وہ ایسی با اقتدار ہستی تھی کہ اُن کا نمونہ اب ہے نہ آئندہ۔ برسوں قوم کو حاصل ہو سکتا ہے اور یہ خلا رفع نہیں ہو سکتی

قطعۂ تاریخ وفات حضرت خطیب اعظم مولانا سید محمد دہلوی تاب ثراہ

از شاعر اہلبیت مولانا قائم رضا نسیم امروہوی

یا الٰہی نور کی بارش جو ہے شام و سحر
یہ کسی اہل ولا کی یا ولی کی قبر ہے

ذاکرِ فرزندِ ختم المرسلیں کا ہے مزار
یا خطیبِ اعظم آلِ نبی کی قبر ہے

ہیں فضا میں ہر طرف اسکی ہزاروں مجلسیں
کیا یہ ان سب کے ثوابِ دائمی کی قبر ہے

اسکے دونوں لب پہ منبر تھے گویا اک کتاب
موعظے کہتے ہیں آیاتِ جلی کی قبر ہے

مرنے والا اپنے رنگِ فکر کا خود تھا جواب
منفرد مخصوص طرزِ ذاکری کی قبر ہے

عالمِ دین رسولِ پاک کی ہے یہ لحد
یا علوم ظاہری و باطنی کی قبر ہے

لے مکتبے کو بخش دیں جس نے ہزاروں کی کتب
اُس فقیرانہ منش دل کے غنی کی قبر ہے

قوم کی تعمیر میں تج دی گئی جو زندگی
اللہ اللہ کیا یہی اس زندگی کی قبر ہے

حق طلب تھی جرأتِ اخلاق تاج و تخت سے
پرتوِ خُلقِ حسین ابن علی کی قبر ہے

سعی تھی شمشیر جس کی عزمِ راسخ جسکی ڈھال
یہ محاذِ قوم کے ایسے جری کی قبر ہے

تھے اسی کے دم سے زندہ نیم جانوں کے حقوق
یہ نمایندہ تھا جن کا اُن سبھی کی قبر ہے

عشقِ ملت، عشقِ دیں، عشقِ پیمبر، عشقِ آل
یہ عناصر جس کے تھے اس نیکو دمی کی قبر ہے

تھیں بڑھاپے میں جواں جسکی ارادی قوتیں
اس حبیبِ کربلائے عاشقی کی قبر ہے

بندگانِ حق کا خادم، بندۂ طاعت گزار | بندہ پرور دفن ہے اور بندگی کی قبر ہے

مجمعِ ماتم ہیں خلوص و زہد و ایثار و عمل | عابدِ شب زندہ دار و متقی کی قبر ہے

جس کا مسلک تھا بہر حال اتحاد المسلمین | اُس نشانِ پائے شاہِ بوذری کی قبر ہے

مژدۂ رحمت لیے آتے ہیں قدسی عرش سے | نفسِ قدسی کے کمالِ واقعی کی قبر ہے

کیا لکھوں تاریخِ رحلت خود میں حیراں ہوں نسیمؔ | یہ ملک کی قبر ہے، یا آدمی کی قبر ہے

لو مکمل شعر میں القا ہوئی تاریخِ مرگ | اس کے یہ شایاں بھی ہے حسنِ حیدری کی قبر ہے

۲؎ ہے یہ جائے فاتحہ اے زاہدانِ نیک دل | مولوی سید محمد دہلوی کی قبر ہے

۱۳۹۱ھ

بولے عیسیٰ دیکھ کر ستر برس کی خدمتیں | ۳؎ پیری احساسِ فرضِ منصبی کی قبر ہے

۱۹۷۱ء

میں نے اُن سے یہ کہا، از روئے زبر و بیّنات | ۴؎ ہے یہ ملت کی لحد، اک رہبری کی قبر ہے

۱۹۷۱ء

بول اُٹھے میرا سخن سُن کر حروفِ مہملہ | ۵؎ رہبری کیسی شعورِ رہبری کی قبر ہے

۱۳۹۱ھ

مجلسیں ان کی پکاریں، گُن کے منقوطہ حروف

شمعِ خاموشِ زبانِ آگہی کی قبر ہے

۱۳۹۱ھ

حواشی

۱؎ مکتبۃ العلوم، فردوس کالونی، کراچی

۲؎ ہے یہ جائے فاتحہ اے زہران نیک دل، مولوی سید محمد دہلوی کی قبر ہے

۱۵۱۵ ۱۴ ۴۹۴ ۱۱ ۶۸ ۱۱۴ ۹۲ ۷۴ ۹۲ ۵۵ ۳۰۲۳۰ = ۱۳۹۱ھ

۳؎ پیری، احساس، فرض، منصبی، کی، قبر، ہے

۲۲۲ + ۱۳۰ + ۱۰۸۰ + ۱۹۲ + ۳۰ + ۳۰۲ + ۱۵ = ۱۹۷۱ء

۴؎ ہے ہ ا ی ا

۵ ا ۱۰ ا = ۱۷

یہ ی ا ہ ا

۱۰ ا ۵ ا = ۱۷

ملّت م ی م ل ا م ت ا

۴۰ ۱۰ ۴۰ ۳۰ ا ۴۰ ۴۰۰ ا = ۵۶۲

کی ک ا ف ی ا

۲۰ ا ۸۰ ۱۰ ا = ۱۱۲

لحد ل ا م ح ا د ال

۳۰ ا ۴۰ ۸ ا ۴ ا ۳۰ = ۱۱۵

اک ا ل ف ک ا ف

ا ۳۰ ۸۰ ۲۰ ا ۸۰۰ = ۲۱۲

رہبری ر ا ہ ا ب ا ر ا ی ا

۲۰۰ ا ۵ ا ۲ ا ۲۰ ا ۱۰ ا = ۴۲۲

کی ک ا ف ی ا

۲۰ ا ۸۰ ۱۰ ا ۱۱۲

قبر ق ا ف ب ا ر ا ۳۸۵

۱۰۰ ا ۸۰ ۲ ا ۲۰۰ ا

ہے ہ ا ی ا

۵ ا ۱۰ ا = ۱۷ / ۱۹۷۱ء

۵ مصرع ثانی کے صرف حروف مہملہ (غیر منقوطہ) کے اعداد سے تاریخ نکلتی ہے۔ اس طرح

ر ، ہ ، ر ، ک ، ش ، ع ، و ، ر ، ر ، ہ ، ر ، ک ، ر ، ہ

۲۰۰ + ۲۰۰ + ۵ + ۲۰۰ + ۲۰ + ۶۰ + ۷۰ + ۶ + ۲۰۰ + ۲۰۰ + ۵ + ۲۰۰ + ۲۰ + ۲۰۰ + ۵ = ۱۳۹۱ھ

۶ مصرع ثانی کے صرف حروف منقوطہ کے اعداد سے تاریخ نکلتی ہے، اس طرح

ش خ ش ز ب ن ی ی ق ب ی

۳۰۰ ۶۰۰ ۳۰۰ ۷ ۲ ۵۰ ۱۰ ۱۰ ۱۰۰ ۲ ۱۰۰ = ۱۳۹۱ھ

قائد ملّت نے پورے بارہ سال ملّت شیعہ کی جو خدمت کی ہے وہ تاریخ میں سنہری حروف کے ساتھ لکھی جائے گی۔ ملّت شیعہ میں علمائے کرام کی کمی نہیں ہے جو خدمات دینی انجام دے رہے ہیں لیکن اس مرد مجاہد نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں جبکہ آرام کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے آرام کو خیرباد کہہ کر اپنا سب کچھ قوم پر نثار کر دیا۔ یہاں تک کہ اپنی جان عزیز بھی راہ خدا میں دیدی۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ قیام پاکستان کے بعد ملت جعفریہ کو علامہ مرحوم جیسا لیڈر میسر نہیں آیا۔

تاریخ پاکستان میں یہ پہلی مثال ہے کہ کسی شیعہ لیڈر نے حقوق طلبی کے حصول کے لئے اس قدر جد وجہد کی ہو جس کا نتیجہ یہ ہوا ہو کہ تھوڑے ہی عرصہ میں قوم حقوق طلبی کے لئے منظم ہوگئی۔ ڈھاکہ سے لے کر پارہ چنار تک پوری ملت شیعہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنے جائز مذہبی حقوق کے لئے قربانیاں دینے کے لئے تیار نظر آنے لگی۔

ہم قائد ملّت جعفریہ علامہ سید محمد صاحب دہلوی کو ان کی بے لوث خدمت قومی اور جانی و مالی قربانیوں پر شاندار خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی جانفشانیوں کو قبول فرما کر اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے اور ان کے اعزہ کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی قوت عطا فرمائے۔ (ہفت روزہ شیعہ لاہور)

(از جناب سید ضیاء الحسن موسوی)

زندگی آمیز اور زندگی آموز خطیب

اگر یہ مقولہ صحیح ہے کہ "زندگی زندہ دلی کا نام ہے" تو خطیب اعظم زندگی کی سچّی تصویر تھے۔ وہ نہ صرف خود زندہ دل تھے بلکہ زندگی آمیز ہونے کے ساتھ زندگی آموز بھی تھے۔ خطیب اعظم کی زندہ دلی ان کی موجد فطرت کا ایک پہلو تھی۔ وہ زندگی کی عام شاہ راہ سے ہٹ کے چلنے کے عادی تھے۔ ہر چیز ہر کام اور ہر بات میں انوکھا پن اضافہ اور جدّت یہ ان کی فطرت تھی۔ خطابت میں انھوں نے مزاح کی چاشنی کا اضافہ کیا تاکہ دلوں سے تکدّر اور آلام کی گرد دور ہو جائے۔ اور جب دل کا آئینہ صاف ہو جاتا تو وہ اس میں حقائق و معارف کا عکس دکھاتے اور ان کی بات دلوں پر نقش ہو جاتی۔

نجی محفلوں میں وہ ہنستے ہنساتے اور پھر اس لطافت سے کام کی بات پیش کرتے کہ تساہل کی گنجائش نہ رہتی۔ وہ عجیب و غریب نقطۂ اتصال تھے۔ دہلی اور لکھنؤ کا نقطۂ اتصال امراء اور اہل حاجت کا نقطۂ اتصال اہل علم اور طالبان علم کا نقطۂ اتصال مزاح اور سنجیدگی کا نقطۂ اتصال علم اور عمل کا نقطۂ اتصال غرض عجب پہلو دار شخصیت تھی جس کو

نظرانداز کرنا یا فراموش کرنا ناممکن ہے۔

وہ حیدرآباد دکن میں عشرۂ ثانی پڑھنے تشریف لاتے اور عوام و خواص سال بھر ان کی آمد کے منتظر رہتے نواب تراب یار جنگ انکے میزبان ہوتے، مکرم الدولہ کی ڈیوڑھی کا صحن اور اس کے دالان مجمع سے چھلکتے نظر آتے کوئی جاگیردار کوئی نواب کوئی عالم کوئی صاحب ذوق اور کوئی مجالس کا شائق ایسا نہ ہوتا جو زیر منبر نظر نہ آتا ہو۔ ایک مجلس میں میر عثمان علی خاں نظام حیدرآباد بھی شریک ہوتے تھے اور بارہا میں نے ان کو بے اختیار داد دیتے دیکھا ہے۔ شاہی محل کی خصوصی مجالس میں نظام ان کے اہل خاندان اور مخصوص سامعین کے سامنے بھی تقریر کرتے۔ نظام سابع خطیب اعظم کے گرویدہ تھے۔ کنگ کوٹھی میں جہاں ہر روز صبح نواب ہوش یار جنگ ہوش بلگرامی نواب شہید یار جنگ شہید، حکیم مقصود جنگ، ڈاکٹر واگھرے اور کوتوال شہر نظام کے دربار میں حاضر ہوا کرتے اور ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۹ء تک ہر جمعہ کو میری بھی حاضری مقرر تھی۔ جب تک خطیب اعظم حیدرآباد دکن میں قیام فرما ہوتے ان کو بھی یاد فرمایا جاتا اور گھنٹوں گفتگو ہوتی جب تک خطیب اعظم موجود رہتے نظام زیادہ تر انہی سے مخاطب رہتے اور موضوع گفتگو امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ذات اور اس سے متعلق آیات و احادیث ہوا کرتیں جن سے نظام سابع کو بے حد عقیدت تھی۔ اس موضوع پر شمس العلماء مولانا سبط حسن صاحب، حکیم مرتضیٰ حسین صاحب الہ آبادی، سید مرتضیٰ صاحب کشمیری، مولانا ابرار حسین صاحب پاروی وغیرہ سے بھی گفتگو کیا کرتے تھے مگر خطیب اعظم کی گفتگو سے وہ بے حد متاثر ہوتے تھے۔ اس لئے کہ اس میں جا بجا مزاح کی چاشنی بھی ہوتی تھی۔ اور زبان کی لطافت بھی

کچھ دیر کے بعد علمائے وقت کے مبلغ علم ان کی علمی مصروفیات پر بھی گفتگو ہوتی پھر ملکی حالات اور سیاست بھی زیر بحث آتی اور دربار شاہی کی عام گفتگو بھی ہوتی۔ ان معاملات کے متعلق بھی خطیب اعظم جو کچھ کہتے نظام اس پر پھڑک اٹھتے۔ ایک مرتبہ ہوش بلگرامی مرحوم جن سے خطیب اعظم کے خاص تعلقات تھے ان کے بنگلہ پر دعوت تھی۔ ہوش بلگرامی اچھے کھانوں کے ایسے شوقین تھے کہ سر محمد یعقوب اور نواب صاحب چھتاری بھی ان کی دعوت کے خواہاں رہا کرتے مگر وہ خطیب اعظم کی دعوت میں جو اہتمام کرتے وہ کسی اور دعوت میں نہ ہوتا اور حقیقت یہ ہے کہ نواب رام پور کے علاوہ اور کسی کا دسترخوان شاید ہی ایسا لذیذ اور پر تکلف ہوا ہو۔ اس دعوت میں ہوش بلگرامی نے جن کو نظام کی طبیعت میں بڑا دخل تھا یہ اعتراف کیا کہ خطیب اعظم کی گفتگو میں وہ کشش اور اثر ہے کہ "ہم پیشہ ور مصاحبین" کو ڈر لگتا ہے کہ آپ چاہیں تو ہمیں بیک بینی و دو گوش دربار سے نکلوا دیں

کہنے کی بات یہ ہے کہ اس جادو بیانی سے خطیب اعظم نے نہ اپنے مفاد کے لئے کبھی کچھ حاصل کیا نہ کسی کو آزار پہنچایا بلکہ ہر ملاقات کا نتیجہ کسی نہ کسی کے فائدے کی شکل میں برآمد ہوا۔

بمبئی کے وارڈن روڈ کا ایک عالی شان بنگلہ فروخت ہونے والا تھا نظام حیدر آباد اس کو خریدنا چاہتے تھے اور قیمت بھی لگا دی تھی ریاست حیدر آباد کے نمائندے نے اطلاع دی کہ سیٹھ حاجی داؤد ناصر اس سے زیادہ زیادہ قیمت لگائی ہے۔ نظام کو معلوم تھا کہ خطیب اعظم اور سیٹھ حاجی داؤد کی کتنی دوستی ہے چنانچہ نظام نے خطیب اعظم کو کئی صفحات کا تار دیا اور ادھر مجھ کو حکم دیا کہ میں بمبئی جاؤں اور سیٹھ حاجی داؤد ناصر سے کہوں

کہ وہ ان کے مقابلے میں یہ کوٹھی نہ خریدیں بمبئی میں ایسے پرسکون مقام پر سمندر کے کنارے ایسی کوٹھی دستیاب ہونا آسان بات نہ تھی۔ اگرچہ نظام پیلس موجود تھا مگر اس میں زیادہ تر شاہزادوں اور دوسرے مہمانوں کا قیام رہتا تھا۔ بمبئی میں ماہم کے علاقے میں جہاں سیٹھ حاجی داؤد ناصر کا قیام تھا خطیب اعظم اور میرا اجتماع ہوا ظاہر ہے کہ ہماری دلی ہمدردیاں تعلقات کی وجہ سے حاجی داؤد ناصر کے ساتھ تھیں مگر "راج ہٹ" سے قطع نظر کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ پھر حاجی داؤد ناصر کا خاصا کاروبار ریاست میں بھی پھیل چکا تھا۔ خطیب اعظم نے اس موقع پر ایک ایسا مشورہ دیا جو انہی کا کام ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں یہ جواب لے کر واپس ہوا کہ سیٹھ حاجی داؤد ناصر نظام کے مقابلے پر یہ کوٹھی خریدنے کا خیال بھی نہیں رکھتے تھے اور جب ان کو اس کا علم ہوا کہ حضور نظام اس کو خریدنا چاہتے ہیں اور ان کی بولی سے سیٹھ صاحب کی بولی زیادہ ہے تو انھوں نے یہ طے کیا ہے کہ یہ کوٹھی خرید کے حضور نظام کی خدمت میں بطور نذرانہ و تحفہ پیش کر دیں۔ میں نے جب اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خان کو یہ بات سنائی تو وہ پہلے تو چپ ہو گئے۔ اور پھر زانو پیٹ پیٹ کر کے کہنے لگے "ارے یہ مولوی سید محمد کا مشورہ ہوگا، یہ مولوی سید محمد ہی کا دماغ ہو سکتا ہے"۔ اور مجھ سے کہا کہ داؤد ناصر کو مطلع کر دو کہ ان کی محبت سے میں بہت متاثر ہوا یہ کوٹھی ان کو مبارک ہو اب میں ایک اور والیٔ ریاست کا پیلس خریدوں گا جس نے مجھے آفر کیا ہے۔ اور اس طرح یہ قضیہ بحسن و خوبی ختم ہوا۔

مجھے نہیں معلوم کہ محاذ حسینی سے قبل خطیب اعظم لکھنؤ میں کہاں قیام فرماتے تھے البتہ جب محاذ حسینی کے سلسلے میں سرکار ناصر الملت نے ان کو طلب کیا تو فرمایا کہ اب آپ جب بھی لکھنؤ تشریف لائیں تو میرے ہی مہمان ہوا

کریں۔ وہ دن اور خطیب اعظم کی لکھنؤ میں آخری آمد کا دن وہ ہمیشہ نصیر منزل میں قیام پذیر ہوتے تھے۔ اور سرکار نصیر الملت اور سرکار سعید الملت سے ان کے تعلقات ایسے برادرانہ اور مخلصانہ تھے جن کی نظیر فقط مولانا خواجہ مختار احمد تھے صاحب مرحوم رئیس سہارن پور ہی ہو سکتے ہیں۔ میں یہ بات مرحوم کی روح کو پیش نظر رکھ کے کہہ سکتا ہوں کہ اگر ان دو حضرات کے لئے جان کی ضرورت پیش آتی تو خطیب اعظم اس سے دریغ نہ کرتے۔ اور ان دونوں عظیم بھائیوں نے بھی ... خطیب اعظم کی دوستی کی وہ قدر کی جو مثالی ہے۔

پاکستان آنے کے بعد خطیب اعظم پہلی مرتبہ ہندوستان گئے تو "نصیر منزل" لکھنؤ ان کا مرکز تھی۔ سارا ہندوستان ان کی آواز سننے کا مشتاق تھا۔ روز متعدد شہروں سے تار آتے تھے مگر ویزا میں فقط دہلی اور لکھنؤ لکھا تھا۔ نصیر الملت نے جو یو پی کی مجلس قانون ساز کے رکن اور شیعیان ہند کے سب سے بڑے قائد تھے۔ ہوم سیکریٹری سے ملاقات کر کے دوسرے شہروں کا ویزا حاصل کرنے کا سلسلہ شروع کیا مگر یہ سلسلہ لامتناہی ہو گیا اور تقریباً پچاس شہروں اور قصبات میں خطیب اعظم نے مجالس میں تقریریں کیں اور آخر انھوں نے خود واپسی پر اصرار کیا اور کراچی چلے آئے۔ اس کے بعد ایک اور صاحب کی سفارش کے لئے نصیر الملت ہوم سیکریٹری کے پاس گئے تو انھوں نے دیکھتے ہی کہا: "مولانا آپ بار بار کیوں زحمت فرماتے ہیں لائیے میں مولانا سید محمد کے پاسپورٹ پر لکھ دوں کہ وہ ہندوستان کے ہر قصبے اور ہر شہر میں جا سکتے ہیں بس اب تو آپ خوش ہیں۔ نصیر الملت نے مسکرا کر کہا کہ جی نہیں اب اس کی ضرورت نہیں وہ واپس تشریف لے گئے۔

سعید الملت اعلی اللہ مقامہ اکثر دینی معاملات خصوصاً مساعی تعمیر

جنت البقیع کے سلسلے میں خطیب اعظم کو ہر اقدام سے باخبر رکھتے تھے اور آخری اقدام جو وہ اپنی موت کی وجہ سے نہ کر سکے اس کا بار بھی خطیب اعظم کے سپرد کر گئے تھے۔ اور خطیب اعظم تحریک مطالبات کی مصروفیت کی وجہ سے اس کو انجام نہ دے سکے اگرچہ لدّو بھائی کے گھر چہلم کی مجلس میں انھوں نے اس کا اعلان بھی کیا تھا کہ وہ ایران و عراق و پاکستان کے علماء کا ایک وفد لے کر حجاز جانا چاہتے ہیں اور سعید الملت نے جو کامیابی حاصل کی تھی اور علماء و حکومت حجاز کو آمادہ کر لیا تھا اس وعدہ کی تکمیل اور عملی اقدامات کے لئے یاددہانی کرنا چاہتے ہیں مگر افسوس کہ اچانک بقول میر تقی میرؔ ؎

دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

خطیب اعظم میرے والد اور بزرگوں کے دوست تھے۔ میں اُن کے سعید فرزند سید احمد جوہر کا دوست ہوں، میری ہی گزارش پر خطیب اعظم نے سید احمد جوہر کو میٹرک پاس کرنے کے بعد لکھنؤ بھیج دیا تھا اور ہم دونوں نے کئی سال تک کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ میں ایسے دن گزارے ہیں جو طالب علمی کے یادگار دن کہے جا سکتے ہیں۔ اس کے باوجود خطیب اعظم مجھے اپنے فرزند کا دوست نہیں اپنا دوست تصور فرماتے تھے۔ اور اگرچہ میں ان کے بعض افکار و اقدامات پر بڑی تلخ تنقید کرتا تھا۔ اور ایک دفعہ ۲۱ رمضان المبارک کی دعوت افطار میں آقائے حجۃ الاسلام شیخ محمد شریعت مدظلہ کے شریعت کدہ پر میں نے بھرے مجمع میں ان سے گستاخانہ گفتگو کی تھی مگر معلوم ہوتا تھا کہ وہ برف کے بنے ہوئے انسان ہیں انھوں نے اس اختلاف کو کبھی یاد نہیں رکھا وہ جانتے تھے کہ شخصی احترام اور خاندانی تعلقات کے باوجود میں نے یہ گستاخی کی تھی جو اختلاف رائے تھی وہ اس کے بعد بھی اسی محبت سے پیش آتے بلکہ

شاید وہ مجھے اور زیادہ چاہنے لگے تھے۔

ان کی وسعت قلب کا یہ عالم تھا کہ ان کے کتب خانے میں عبقات الانوار کی تمام مطبوعہ جلدیں تھیں مگر ان کو جمع کرنے کے باوجود ان کی ترتیب کا ان کو موقع نہیں ملا تھا میں نے ان مجلدات کو مرتب کر کے ان کو مژدہ سنایا کہ پاکستان میں غالباً اس نایاب کتاب کا مکمل مجموعہ فقط آپ ہی کے پاس ہے تو وہ بہت خوش ہوئے اور اکثر اہل علم سے اس کا تذکرہ کیا کہ مجھے خود معلوم نہ تھا کہ میں ساری مجلدات عبقات جمع کر چکا ہوں فلاں شخص نے یہ دریافت کر کے میری ایک عرصے کی تمنا پوری کر دی۔ پھر میں نے بعض جلدوں کو جو مکرر تھیں نجف اشرف کے عالم شیخ اسد حیدر مصنف الامام الصادق کے لئے روانہ کرنے کا مشورہ دیا جو اپنی تالیف کے سلسلہ میں بڑی زحمت اُٹھا کے کتب خانۂ آل کاشف الغطاء اور دوسرے کتب خانوں میں اس کتاب سے استفادہ کرتے ہیں تو مرحوم نے فوراً یہ جلدیں عراق روانہ فرما دیں۔

خطیب اعظم کو نئی ایجادات اور نادر اشیاء جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اس سلسلے میں والیان ریاست بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے انوکھی چیزیں گویا ڈھونڈھ کے ان تک پہنچ جاتی تھیں۔ مجھے بھی ایک زمانے میں یہ شوق تھا اس لئے خطیب اعظم ایسی چیزیں مجھے بڑے اہتمام سے دکھاتے اور فرماتے تھے کہ بس فقط تم سے خطرہ ہے کہ یہ چیز تم تک پہنچ چکی ہوگی۔ اور اگر وہ میرے لئے نئی ہوتی تو فاتحانہ انداز سے بے حد مسرور ہوتے اور اگر اس کے برخلاف ہوتا تو اپنی شکست کا زور شور سے اعلان کرتے اور فرماتے کہ میں نے نواب رام پور تک کو بارہا شکست دی ہے مگر اس لڑکے نے میرا ناک میں دم کر دیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ، امریکہ اور جاپان کے تاجر

سے اس نے ساز باز کر رکھی ہے۔

وہ مجھ سے ہر لحاظ سے بڑے تھے مگر جب بھی کسی بات میں مشورہ کرتے تو اس کا احساس نہ ہوتا کہ میں کسی بزرگ سے مخاطب ہوں، بارہا سید احمد جوہر کے ذریعے مجھے طلب کیا اور تنہائی میں اہم معاملات پر میری رائے طلب کی جب میں نے یہ عذر کیا کہ اہل حلّ و عقد کے مقابلے میں میں کیا چیز ہوں تو فرمایا کہ تم سا بے لاگ مشورہ دینے والا میں نے کم پایا ہے اور اتفاق کی بات کہ کئی مرتبہ میرا معروضہ سننے کے بعد مجھے اپنا لکھا ہوا فیصلہ دکھایا اور کہا کہ میں بھی اسی نتیجے پر پہنچا تھا مگر مشوروں کی کثرت سے گھبرا جاتا ہوں تو تم سے بات کر کے اپنے فیصلے کے متعلق اندازہ کرتا ہوں۔ اُن کا یہی وہ انداز تھا کہ چھوٹے بھی ان کے سامنے اپنے کو اہم سمجھنے لگتے، یہ ہمّت افزائی انہی کا حصّہ تھی۔

ان پر جب ایک سازش کے تحت دلّی میں مقدمہ قائم ہوا تو سارے ہندوستان کے مومنین نے اس کو اپنے خلاف سازش سمجھا شاید ہی کسی ایک شخص کے لئے اتنے ہاتھ خدا کی بارگاہ میں اٹھے ہوں اور اتنی منتیں مانی گئی ہوں۔ میں اس زمانے میں سہارن پور میں تھا اور مولانا خواجہ مختار احمد صاحب قبلہ مرحوم کے ساتھ دلّی پہنچ کر شب و روز کام کرنے والوں میں شامل ہو گیا۔ جب مقدمہ ایک انگریز کی عدالت میں گیا اور سر وزیر حسن نے حقائق پیش کئے تو خطیب اعظم باعزّت طور پر بری ہوئے اور پورے برصغیر میں عید منائی گئی۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اگرچہ سر وزیر حسن نے رضاکارانہ طور پر وکالت کی تھی مگر نظام حیدر آباد نے اپنی طرف سے ان کو پانچ ہزار روپے بطور فیس روانہ کئے اور اتنے اصرار کے ساتھ کہ ان کو قبول کرنا پڑے۔

دشمنوں نے یہ چاہا تھا کہ خطیب اعظم کی بے عزّتی ہو۔ مگر خدا کو کچھ اور منظور تھا اور یہی ہوا کہ خطیب اعظم کی مقبولیت و عزّت کا وہ اظہار ہوا جو شاید بغیر اس کے نہ ہوتا۔ جس دن عدالت نے فیصلہ سنایا میں لکھنؤ میں تھا۔ اور مرحوم خواجہ اسد کے ساتھ روزنامہ آسد میں کام کرتا تھا۔ ہم لوگوں نے آسد میں اتنی جلی سرخی سے یہ خبر شائع کی کہ کاتب کو اس کی کتابت کے لئے قلم نہ ملا۔ اور مساحت ناپنے کی پٹی کو قط دے کر اس سے لکھا گیا "سازش ناکام ہوگئی"۔ میرا خیال ہے کہ برصغیر کے لاکھوں گھروں میں اس دن خوشی منائی گئی اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

خطیب اعظم کی خطابت کا عروج اس زمانے میں ہوا جب برصغیر میں متعدد عظیم حسینی ذاکر موجود تھے۔ اگر اس عہد میں ٹیپ ریکارڈر ہوتا تو آج کے سننے والے اندازہ کر سکتے کہ شاید کسی عہد میں منبر حسینی اتنی بلندی پر پہنچا ہو۔ ان میں سے کوئی زبان و بیان کا بادشاہ تھا کوئی فلسفہ و منطق کو پانی بنانے کا کمال دکھاتا تھا کوئی تفسیر میں رازی کو مات کرتا تھا۔ کوئی حدیث کے چمن کھلاتا تھا۔ نکات کا تو چلن ہی اسی دور سے ہوا ہزاروں کا مجمع گھنٹوں ان کی جادو بیانی میں محو رہا کرتا تھا۔ اور صدہا ذاکرین ان سے خوشہ چینی کر کے ان کے مقلد بنتے اور کامیابی حاصل کرتے۔ اس ماحول میں خطیب اعظم منبر پر آئے اور ایک جدید طرز خطابت ساتھ لائے نہ جس کی کوئی تقلید کر سکا نہ جس رنگ میں کوئی حریف بن سکا۔ برصغیر کے بعض مقامات پر اجتماعی مجالس منعقد ہوتیں۔ جہاں عہد کے منتخب واعظین و ذاکرین جمع ہوتے اور اکثر ان کو مقررہ موضوع پر تقریر کرنا ہوتی۔ ان مجالس میں اگر مولانا سید محمد شرکت نہ کرتے تو ہر شخص ایک کمی محسوس کرتا۔ منبر کے نیچے

ایسے سامعین ہوتے جن کے سامنے نہ یا وہ گوئی ممکن تھی نہ تاریخ وعلوم کے جادے سے انحراف نہ کرور خطابت میں اپنی کمزوری چھپانا۔ عیب وہنر کے ایسے ناقد اور ایسے جری ناقد تھے جو شخصیت سے مرعوب نہ ہوتے تھے نہ اعتراف کمال میں صوبائیت یا کسی عصبیت کو دخل دیتے تھے۔ انھوں نے جس کو مان لیا اس کا سکہ رواں ہوگیا اور انھوں نے جس کو نہ مانا اس کو نہ دولت منوا سکی نہ پارٹی بازی۔ شمس العلماء مولانا سبط حسن صاحب قبلہ سے علامہ رشید ترابی اور خطیب الایمان مظفر حسین طاہر تک تقریباً نصف صدی میں قدیم ومتوسط وجدید ذاکرین اور مقبول ترین مقررین کا ایک شاندار سلسلہ ہے اور یہی نصف صدی خطیب اعظم کی خطابت کا عہد ہے۔ اور اس طویل عہد میں خطیب اعظم نے ان سلاطین دنیائے خطابت کی موجودگی میں اس دنیا پر حکمرانی کی ہے اور قبائلی علاقوں سے بمبئی اور مدراس تک اور گجرات سے بنگال وبہار تک اپنی خطابت کا لوہا منوایا ہے۔ وہ شہرت کی اس حد پر تھے جہاں سے آگے اللہ کا نام ہے

جس طرح میر انیس مرثیہ خوانی میں آواز لہجہ لباس اشاروں اور جنبش ابرو تک کا خاص خیال رکھتے تھے اور انھوں نے مرثیہ خوانی کو ایک ایسی اہم شئے بنا دیا تھا۔ جیسی اہمیت ڈرامہ کے لئے تمثیل کی ہے وہی بات خطیب اعظم نے خطابت میں پیدا کی تھی۔

اور وہ خطابت میں لباس وضع قطع نشست برخاست اشاروں کنایوں لطائف اور آواز سے وہ تاثر پیدا کرتے تھے جو بے ساختہ ہونے کے باوجود پہلے سے مشق کیا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ وہ اپنے ہر وار کے اثر سے پوری طرح آگاہ ہوتے تھے اور ان کو معلوم تھا کہ اس کا کیا اثر ہوگا۔

ان کی خطابت کی خصوصیات کو تحریر میں لانا آسان نہیں اس لئے کہ ان میں سے اکثر کا تعلق وجدان سے ہے مگر سب سے بڑی خصوصیت بیان کا عام فہم اور زبان کا سادہ ترین ہونا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ عوام کی نفسیات اور اجتماع کے رجحانات کیا ہوتے ہیں اور مجمع میں بوڑھے جوان بچے عالم فاضل اور کم علم ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اس لئے سب کی دلچسپی فراہم کرنا خون جگر پیش کرنے سے کم نہیں۔ اور اسی لئے وہ مضامین عالیہ کو ایسی سطح سے پیش کرتے تھے جہاں سے وہ سب کی یادوں کے لئے مضراب بن جائیں۔

۱۹۳۶ء تک ان کی سوانح حیات مرتب اور شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے بعد بھی وہ دہلی میں مقیم رہے اور بسلسلۂ مجالس ہندوستان کا دورہ کرتے رہے جب محاذ حسینی کھلا تو انھوں نے سرکار ناصر الملت اور سرکار نجم الملت اعلی اللہ مقامہما کو اپنی خدمات پیش کر دیں اور ان کے حکم سے قید و بند کا شوق ترک کر کے پنجاب و سرحد کا دورہ کیا اور محاذ کے لئے نہایت اہم خدمات کے ساتھ افراد اور مالی مدد بھی فراہم کی۔ جب اینگلو عربک کالج کے پرنسپل نے ان کو مجالس کے لئے کھلے دل سے چھٹی دینے سے انکار کیا تو خطیب اعظم نے اس ملازمت ہی کو خیرباد کہا۔ چند دن کے بعد نواب صاحب رام پور کے اصرار پر ناظم امور مذہبی اور نگران ادارۂ تفسیر رضوی کی ذمہ داریاں قبول کر لیں اور تمام اہل علم و قلم کا تعاون حاصل کر کے اس مہم کو سر کرنے میں محو ہو گئے۔ جب تقسیم ہند کے ہنگاموں کے سلسلے میں ان کا گھر پاکستان کی ہمدردی کے جرم میں جلا دیا گیا اور ان کا قیمتی ذخیرۂ کتب کا ایک حصہ بھی شعلوں کی نذر ہو گیا تو انھوں نے رام پور کو خیرباد کہا اور رفتہ رفتہ پاکستان منتقلی کا منصوبہ بنایا

پہلے اپنے بڑے فرزند کو بقیہ کتابوں کے ساتھ کراچی بھیجا پھر ۱۹۵۲ء میں خود کراچی آگئے ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ڈاکٹر سید منصور حسین مرحوم حسب مرحوم اور میرے والد سید نجم الحسن صاحب موسوی ریٹائرڈ سیکریٹری پائیگاہ حیدرآباد دکن اسکولوں میں پڑھائی جانے والی دینیات و اسلامیات کی کتابوں میں جو جہالت اور عصبیت کے مضامین تھے ان کی تحقیق کرکے مواد تیار کر رہے تھے یہ ہوا کہ مرحوم حافظ کفایت حسین صاحب اور خطیب اعظم کے علم میں آیا۔ اس وقت کے ارباب حلّ وعقد نے اس کا حل مشترکہ دینیات میں تلاش کیا مگر صورت حال سنورنے کے بجائے اور خراب ہونے لگی۔ تو یہ مطالبہ ہوا کہ ہر فرقے کو اسی کی دینیات کی تعلیم دی جائے ۔ ابھی یہ مطالبہ گہوارے ہی میں تھا کہ صدر ایوب نے اقتدار سنبھال لیا اور لبوں پر مہر سکوت لگ گئی ۔

پاکستان میں آنے کے بعد خطیب اعظم نے منبر سے بڑی حد تک کنارہ کشی کرلی تھی ۔ فردوس کالونی میں گھر بنایا اور اس گھر میں اپنے کتب خانے کو اپنے جنم جنم کے دوست حاجی داؤد ناصر کے نام سے موسوم کیا اور مالیف و تصنیف کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ عمر بھر کے مطالعے کو دوسرے اہل علم و قلم کے تعاون و اشتراک سے مرتب کریں اس میں مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ آل غفراں مآب نے سب سے زیادہ تعاون کیا ۔ اس میں سے اب تک نور العصر چھپ چکی ہے اور باقی تالیفات مسودات کی منزل میں ہیں ۔

پھر خطیب اعظم نے علماء کا کنونشن بلایا اور تحریک مطالبات شروع ہوئی جس سے وہ انتقال سے کچھ دن پہلے تک شب و روز منسلک رہے ۔

اور ان کی قیادت میں متضاد عناصر نے شانہ بشانہ کام کیا۔ اس تحریک میں ان کے حصّے پر وہی لوگ لکھ سکتے ہیں جنہوں نے ان کے ساتھ اس میں کام کیا ہے۔ میں نہ اس کا اہل ہوں نہ مجھے اس کی ان تفصیلات و زحمات کا علم ہے۔ جو اس راہ میں ان کو پیش آئیں۔ جو باتیں اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں ان سے کون آگاہ نہیں مگر ضرورت ہے کہ ضعیفی میں اس جواں ہمت مجاہد نے جو خدمت کی ہے اس کی صحیح تاریخ سامنے آئے۔

۲۱ اگست ۱۹۷۱ء کو ایک طویل علالت کے بعد اور متعدد قلبی دوروں کے بعد یہ سب کو ہنسانے والا زندہ دل انسان جس نے عمر بھر ہنس ہنس کے زخم کھائے لاکھوں کو رُلا کے دنیا سے رخصت ہو گیا۔

خطیب اعظم کی اولاد میں دو بیٹے سید احمد جوہر اور سید محمد رضا اور ایک بیٹی حمیدہ بیگم ہیں خدا ایسی چاہنے والی اور سعید اولاد ہر ایک کو دے جن کی زندگی کا مطمح نظر ان کی حیات میں ان کی خدمت رہا اور اب وہ ان کی یاد تازہ کرنے کو حاصل حیات تصور کرتے ہیں۔

لکھنے کو بہت کچھ ہے مگر یادوں کو مرتب کرنے اور شخصی باتوں کو اجتماعی باتوں سے الگ کرنے کے لئے وقت چاہیئے۔ اگر توفیق نے ساتھ دیا تو باقی پھر۔

آخر میں ایک بات اور وہ یہ کہ خطیب اعظم کی ایک خدمت اردو کی ترویج بھی ہے گجرات اور بمبئی کے علاقے میں سالہا سال تک انھوں نے میلاد اور مجالس حسینی کے ذریعے اس تاجر اور صنعتکار طبقے کو اردو سکھائی جس کی مادری زبان گجراتی تھی اور آخر کار یہ طبقہ اردو کا ایسا شائق و عاشق بن گیا کہ آج اس میں اچھے اچھے اردو کے شاعر اور نثر نگار موجود ہیں۔ خواجہ حسن نظامی نے ان کو جب خطیب اعظم کا خطاب دیا تھا تو اس میں خطیب اعظم کی اس خدمت کا اعتراف بھی شامل تھا۔ جس کا مشاہدہ خواجہ صاحب اپنی آنکھ سے کر چکے تھے۔

سید محمد دہلوی

از جناب سید آلِ رضا صاحب رضاؔ

آپ کے سر پر بصد عزّو شرف
تھی خطابت کی کلاہ خسروی
آپ تھے اس قوم کے اعظم خطیب
قدر ہے جس میں لسان اللہ کی
باب شہرِ علم پر جس کو ہو ناز
علم سے کیوں ہو نہ اس کی دوستی
آپ کو حاصل تھا اور کس شان سے
اِنکساری کا مقامِ سروری
پا پیادہ از نجف تا کربلا
آپ نے طے کی یہ راہ خوش روی
علم و دانش چہرے مہرے سے عیاں
اور طبیعت میں نہایت سادگی
آپ نے کی مُلک پاکستان میں
قوم کی کتنی ضروری رہبری

وہ ضعیفی اور جہادِ دینیات
واہ رے! عزم و عمل کی پختگی
سر پھرے اہلِ تعصّب کے خلاف
آپ جھکے ہی نہیں مطلق کبھی
جب بڑا مخدوش یہ ٹکراؤ تھا
آپ تھے، اور آستیں الٹی ہوئی
ملنے جلنے میں ہمیشہ بے دریغ
تھا مثالی آپ کا اخلاق بھی
خوش کلامی چشمۂ قند و نبات
آپ کی باتوں میں بھی کیا بات تھی
دِل یہ کہتا تھا کہ سنتے ہی رہو
اللہ، اللہ وہ مسلسل دلکشی
یہ کوئی وقتی تقاضا تو نہیں
یاد آئے گی ہمیشہ آپ کی
گونجے ہی جائے گی یہ دِل کی صدا
آہ، اے سیّد محمّد دہلوی

ہے دُعائے مغفرت بر لب رضاؔ
آپ ہوں اور جنّت قربِ علیؑ

لائبریری
نشتر پارک
کراچی

از جناب علاّمہ رشید ترابی مدظلہٗ

آج ان کو نگاہیں ڈھونڈہ رہی ہیں

خطیب اعظم مولانا سید محمد صاحب دہلوی مرحوم اگرچہ آج ہم میں نہیں ہیں لیکن اُن کی یاد سے بہت سے تصوّرات وابستہ ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں پہلی مرتبہ خطیب اعظم سے حیدر آباد دکن میں ملاقات ہوئی۔ نواب سالار جنگ مرحوم کے شادی خانے میں جو نواب بہرام الدولہ کا مکان تھا، ۱۵ صفر سے ۲۵ صفر تک مجلسیں منعقد کی گئیں اور منجھو صاحب مرحوم نے سوز خوانی کی اور خطیب اعظم نے کچھ عجب شان سے مجلسوں کا آغاز کیا۔ ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا۔ عمائدین ملک سب جمع ہوتے تھے۔ خود حضور نظام نے چوتھی مجلس میں شرکت کی اور پھر مولانا مرحوم کو ہر روز کنگ کوٹھی میں جانا پڑتا تھا۔ اس طرح تقریباً ۱۵ سال تک خطیب اعظم حیدر آباد دکن تشریف لاتے رہے اور پہلی مجلس جس طرح سے پڑھی تھی آخری مجلس تک وہی تزک و احتشام باقی رہا۔ پھر مولانا مرحوم سے بمبئی میں ۱۹۳۹ء سے ہر سال ملاقات ہوتی رہی جہاں قیصر باغ اور خوجہ مسجد کی مجلسیں ان کے ذمہ تھیں عجیب رونق رہا کرتی تھی اور سیٹھ حاجی داؤد ناصر صاحب کے مکان واقع وارڈن روڈ پر سارے ذاکرین ناشتہ پر جمع ہوتے تھے اور مولانا مرحوم کی سحر بیانی سے لطف اٹھایا کرتے تھے۔ ہندوستان میں بھی خطیب اعظم کو مجالس کے علاوہ قوم کی زبوں حالی

کا ہمیشہ خیال رہا اور انفرادی اور اجتماعی طور پر ہمیشہ انھوں نے قوم کی خدمت کی۔ ہز ہائینس نواب رامپور کے کتاب خانے میں مولانا مرحوم کی علمی کاوشوں کے نتائج آج بھی باقی ہیں، کاش وہ تفسیر بھی شائع ہو جاتی۔ میں ۱۹۴۹ء میں کراچی آیا۔ مولانا مرحوم کچھ دنوں بعد آئے اور یہاں مسلسل ساتھ رہا۔ وہ ایک عالی حوصلہ اور بلند مرتبت شخصیت کے حامل تھے۔ دوستی کو نباہنا اور وضع کی پابندی ان کا خاص شعار تھا۔ اپنی علالت کے باوجود بہ سلسلۂ مطالبات خطیب اعظم نے پورے ملک کا دورہ کیا اور بڑی زحمتیں اٹھائیں۔ آج ان کو نگاہیں ڈھونڈھ رہی ہیں اور مجھے قوی توقع ہے کہ اُن کے اخلاص عمل کے نتیجہ میں ان کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے والے اپنے کام کو مرحوم کے حسبِ منشا منزل اختتام تک پہنچائیں گے۔ خداوند عالم خطیب اعظم مرحوم کو جوارِ ائمۂ معصومین علیہم السلام نصیب فرمائے اور ان کی اولاد کو، عزیزان کو اور پس ماندگان کو صبر جمیل سرفراز کرے۔

جمہوریہ چین کے اہل قلم خطیب اعظم کے کتب خانے میں

(علامہ سید ابنِ حسن جارچوی)

رنگِ خطابت

وقت کتنا تیز رفتار ہے۔ بادپیما طیارے اور خلانورد راکٹ اور میزائل بھی اس کی سرعت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ گھڑیاں گھنٹوں میں، گھنٹے دنوں میں اور دن ہفتوں میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ چار ہفتے گذرے تو مہینہ ہوگیا۔ بارہ مہینے گذرے تو سال بھر ہوگیا۔ یوں ہی صدیاں بیت جاتی ہیں۔ اور جُگ پلٹ جاتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ وہ گذر جاتا ہے تو پھر کبھی واپس نہیں آتا۔ مگر بیتے ہوئے دنوں کی یاد حافظوں میں، تاریخ کے صفحات پر اور ماحول و گرد و پیش میں باقی رہ جاتی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنی چند روزہ زندگی میں نمایاں کام کر جائیں۔ اور قوم و ملک کی خدمت کا فرض ادا کر کے دلوں میں اپنی جگہ بنالیں۔

حضرت مولانا سید محمد صاحب قبلہ دہلوی جو کل تک ہمارے درمیان نہ صرف موجود تھے بلکہ اپنی باغ و بہار ہستی سے بزم ملّت کو سرسبز و شاداب بنائے ہوئے تھے انہی معدودے چند علماء زعما اور فعّال بزرگوں میں سے تھے جو صدیوں بعد کسی قوم میں پیدا ہوتے ہیں اور جن کی وجہ سے مضمحل، پس ماندہ اور ہمت ہاری ہوئی قوموں میں نئی زندگی کی روح دوڑ جاتی ہے۔

کل کی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ جب میں مدرسہ عالیہ ریاست رام پور میں (جو شمالی ہند میں درس نظامی کی بہت بڑی درس گاہ تھی) داخل ہونے گیا تو مولانا سید محمد صاحب قبلہ فارغ التحصیل ہونے کے باوجود ابھی تک وہاں کے دارالاقامہ میں موجود تھے۔ ان کی جوانی کا آغاز تھا۔ خطابت کمال کی طرف بڑھ

رہی تھی۔ اور ملک کے طول و عرض سے ان کے نام دعوت نامے آنے لگے تھے۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ شعر و شاعری، نثر نگاری اور حکمت و طبابت کی طرح فنِ ذاکری میں بھی ملک ہند میں دو مسلک، مکتب اور اسکول رہے ہیں۔

ایک دلّی اسکول اور دوسرا لکھنؤ اسکول۔

اس زمانے میں دلی اسکول کی نمائندگی حضرت مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ دہلوی کرتے تھے اور سارے ملک ہند میں ان کی ذاکری کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ لکھنؤ اسکول کا علم حضرت مولانا سبط حسن صاحب قبلہ سربلند کئے ہوئے تھے۔ اور چاروں طرف ان کے کمال فن کا چرچا تھا۔

ہندوستان بھر کے شیعہ ان دونوں بزرگوں کی خطابت سے لطف اندوز ہونے کے لئے دلّی، لکھنؤ، آگرہ، فیض آباد، اور اصغرآباد کی سالانہ مجلسوں میں جمع ہوتے اور فن ذاکری کے ان استادوں کے کمال فن کی داد دیتے۔

دلّی اسکول زبان کی سادگی، محاوروں کی برجستگی، عام فہم مضامین اور عوام کی سمجھ میں جلدی سے آجانے والی مثالوں کی وجہ سے چھوٹی بستیوں سے لے کر بڑے بڑے شہروں تک رسائی رکھتا تھا۔ لکھنؤ چونکہ علم و فضل کا مرکز تھا۔ علماء و مجتہدین کی موجودگی اور عربی و فارسی کی عمومی تعلیم نے وہاں کے معاشرے کو فصیح و بلیغ عبارتیں اور دقیق و عمیق تشبیہوں اور استعاروں کے سمجھنے کا عادی بنا دیا تھا۔ اس لئے اس مکتب ذاکری کے نمائندے بلند افکار کو پُرشکوہ الفاظ اور شاندار عبارتوں کے ذریعہ سے ادا کرتے تھے۔ اور حق یہ ہے کہ اہل علم و زبان سے خوب داد پاتے تھے۔

حضرت مولانا سید محمد صاحب قبلہ دہلوی جب میدان ذاکری میں نمودار ہوئے تو دونوں اسکول اپنی تمامتر خصوصیات کے ساتھ عروج پر تھے۔ اور راس کماری سے لے کر پشاور تک اور کراچی سے لے کر چٹاگانگ تک کے مومنین ان دونوں اسکولوں کے دلدادہ و شیدا تھے۔ اور امام عالی مقام کی عزاداری کو یہ دونوں اسکول اپنے اپنے رنگ میں فروغ دے رہے تھے۔

حضرت مولانا سید محمد صاحب کی نکتہ رس اور بالغ نظر شخصیت کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے ان دونوں اسکولوں کی خوبیوں کو اپنا لیا۔ ایک طرف زبان کی سادگی اور محاوروں کی برجستگی سے اور عام فہم مثالوں کے ذریعہ سے وہ دلّی اسکول کی آن بان نبھاتے رہے اور دوسری طرف بلند پایہ افکار و کلامی و فلسفی نکتوں کو بامو قع استعمال کر کے وہ لکھنؤ اسکول کے شیدائیوں کو بھی مسحور و مطمئن کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ پشاور سے لے کر حیدرآباد دکن۔ مدراس اور کراچی سے لے کر ڈھاکہ کے بلکہ رنگون تک کے لوگ ان کا کلام سنتے سمجھتے اور داد دیتے تھے اور لکھنؤ، فیض آباد، جونپور اور اودھ کے عام قریوں کے لوگ بھی ان کے کمال کے سامنے سر جھکاتے تھے۔

حضرت مولانا کا انداز ذاکری دلی اور لکھنؤ اسکول کا حسین امتزاج تھا۔ ان کی فصیح و بلیغ تقریریں گومتی اور جمنا کا سنگم تھیں۔ اردو روزمرہ کی چاشنی کے ساتھ ساتھ اس میں پرشکوہ الفاظ اور بلند پایہ عبارات کو وہ اس خوبصورتی کے ساتھ سمو دیتے تھے کہ سننے والے عش عش کرتے رہ جاتے تھے۔ زبان و بیان کی اتنی قدرت تھی کہ گھنٹوں تقریر کرتے مگر سننے والے نہ اکتاتے، وہ علمی مضامین کو عام فہم زبان میں بھی ادا کر سکتے تھے۔ اور فلسفیانہ ذوق رکھنے والوں کے مجمع میں بیان کو آسمان کی بلندیوں تک بھی پہنچا کر دکھا سکتے تھے۔ پھر اپنے استدلال کو عام فہم بنانے کے لئے وہ لطیفے، چٹکلے اور دل خوش کن جملے درمیان میں اس خوبی سے لے آتے تھے کہ بلند مضامین کی گرانی ذرا بھی محسوس نہ ہوتی۔

مولانا کو مقبول احمد صاحب قبلہ دہلوی سے بہت زیادہ قرب رہا تھا اس لئے عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان کی ذاکری کا رنگ بھی اسی قادرالکلام سے متاثر ہے لیکن نقاد فن جانتے ہیں کہ مولانا سید محمد صاحب کی وہ نکتہ آفرینیاں اور ادبی گل کاریاں جنہوں نے ان کو شروع میں "بلبل بستان معانی" اور "کلیم و متکلم لاثانی" کا خطاب دلایا اور بعد میں "خطیب اعظم" بنا دیا بالکل جداگانہ چیزیں تھیں۔ وہ فضائل بھی خوب پڑھتے تھے۔ تاریخی تلمیحوں اور استعاروں کو بڑی قادرالکلامی سے زیب کلام

بناتے تھے۔ اور اپنے حسن بیان اور زور خطابت سے سنّی اور شیعہ دونوں سے خراجِ تحسین حاصل کر لیتے تھے۔ اور مصائب بیان کرنے پر بھی اتنی قدرت حاصل تھی کہ ان کی منبر سے اُتر آنے کے بعد بھی لوگ گھنٹوں آہ و بکا کرتے رہے تھے۔ خطیبِ اعظم کا خطاب ان کو خواجہ حسن نظامی مرحوم نے دیا تھا اور "بلبل بستان معانی" "کلیم و متکلم لاثانی" جیسے بلند پایہ القاب ان کو ملک کے علمی و ادبی حلقوں سے ملے تھے۔ ہماری موجودہ نسل اپنے شاندار ماضی پر فخر کر سکتی ہے۔ کہ ہماری قوم میں ایسے ایسے باکمال لوگ ہو گذرے ہیں۔ جن کا لوہا سب نے مانا ہے اور جو ورثہ کے طور پر ایسا گران قدر علمی سرمایہ چھوڑ گئے ہیں جس کی روشنی میں ہم مستقبل کی راہیں آسانی اور کامیابی سے طے کر سکتے ہیں۔

میں جو خود راہ فنا کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہوں جب اس درخشانی دور کو نظر کے سامنے لاتا ہوں جس میں شمس العلماء مولانا عباس حسین صاحب قبلہ حضرت مولانا مقبول احمد صاحب۔ خطیب اعظم مولانا سید محمد صاحب قبلہ دہلی میں اور شمس العلماء مولانا سبط حسن صاحب قبلہ اور مولانا محمد رضا صاحب قبلہ فلسفی جیسے باکمال لکھنؤ میں فصاحت و بلاغت اور فلسفہ و حکمت کے انمول موتی لٹاتے تھے اور عامۃ الناس کو اپنے مطالعہ کے نتائج سے بہرہ مند ہونے کا موقع دیتے تھے۔ تو سوچتا ہوں کہ کیا اب پھر دنیا ان کا مثل پیدا کر سکے گی اور ہماری علمی صحبتیں ان فرکوس گوش آوازوں کو سن سکیں گی۔

یہ خیال کر کے اطمینان ہو جاتا ہے کہ ذکر حسین اپنی اشاعت کے لئے نئی نئی راہیں پیدا کرتا رہا ہے۔ آئندہ نئی محفلیں برپا ہوں گی ۔ ذکر حسین کے نئے نئے اسلوب بروئے کار آئیں گے۔ اور محمد و آل محمد کے فضائل و مصائب کو دنیا کے کانوں تک پہنچانے کے لئے نئے نئے باکمال پیدا ہوں گے۔ حسین کا غم پائندہ ہے ان کا ماتم قیامت تک ہو گا۔ اور اس کو برقرار رکھنے کے لئے اللہ غیب سے سامان مہیا کرتا رہے گا۔ ہم سوز خوانی۔ تحت اللفظ خوانی اور روضہ خوانی کی منزلوں سے گذر کر

موجودہ خطابت تک پہونچے ہیں۔ اب دنیا سمٹ رہی ہے۔ فاصلے مفقود و نابود ہو رہے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے مشرق و غرب اور شمال و جنوب کو آمنے سامنے بٹھا دیا ہے۔ مستقبل کا ذاکر قدیم علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم سے مدد لے گا اور فلسفہ کے ساتھ سائنس کی معلومات سے فائدہ اٹھا کر ذکرِ محمد و آل محمد کو نسل انسانی کے کانوں اور آنکھوں تک پہونچائے گا۔ ہم سب پا بہ رکاب ہیں۔ ہم نہ ہوں گے۔ مگر حسین کی مجلس تا قیامت برپا رہے گی۔ اور انقلابات زمانہ سے گذر کر ذاکری بھی بام عروج کی طرف بڑھتی رہے گی۔

یہ جہاں سب انقلاب دہر میں بہ جائے گا
اک فقط نامِ حسین ابن علی رہ جائے گا۔

جناب ذاکر علی صدر یونین انکلسریا نرسنگ ہوم ایمپلائز یونین

"علامہ دہلوی محض بڑی دینی یا علمی شخصیت نہ تھے بلکہ ایک شفیق اور ہمدرد انسان تھے۔ ان سے جس شخص نے بھی تعاون کی خواہش کی انہوں نے توقع سے کہیں زیادہ شفقت کا برتاؤ کیا۔"

جناب محمد احمد دردؔ کنوینر تحریک تعمیر ادب پاکستان حیدرآباد اور جناب افضال احمد ضیاء

"مولانا سید محمد دہلوی کی وفات تمام مسلمانان عالم کے لئے ایک سانحہ ہے علامہ نے غیر منقسم ہندوستان میں تحریک پاکستان کا جس جوش و خروش اور بے مثال انہماک سے کام کیا وہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔"

جناب سید برکت علی پروپرائٹر یونائیٹڈ انڈسٹریز حیدرآباد

"قائد ملت جعفریہ کی وفات سے جو خلاء پیدا ہو گیا ہے اسے مدتوں پر نہیں کیا جا سکے گا۔"

(ادیب اعظم جناب مولانا سید ظفر حسن مدظلہٗ امروہوی)

خطیب اعظم اور علم مجلسی

دنیا دار فنا ہے اس میں جو آیا مرنے کے لئے جو مر گئے وہ مر گئے جو باقی ہیں وہ مرنے والے ہیں غور کرنا ان مرنے والوں کی زندگی پر ہے جو مرنے کے بعد بھی نہیں مرتے۔ سبق حاصل کرنا ان مرنے والوں کی زندگی سے ہے جو ان کو زندہ جاوید بنا دیتی ہے۔ ان ہستیوں میں ایک طبقہ اہل علم کا بھی ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔

فقم بعلمٍ ولا تبغی لہٗ بدلاً   فالناس موتیٰ و اہل العلم اَحیائُ

حصول علم کے لئے آمادہ ہو اور اس کا بدلہ مت چاہو۔ بے علم لوگ مردہ ہیں اور اور اہل علم زندہ رہنے والے ہیں۔ خطیب اعظم مولانا سید محمد صاحب قبلہ اسی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے اپنے علم سے وہی کام لیا جو ایک عالم ربانی کو لینا چاہیئے تھا تقریراً اور تحریراً دونوں طریقہ سے انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا۔ انہوں نے قوم کی وہ گرانقدر خدمت انجام دی جو شیعی تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ بارہا انہوں نے اپنی پرزور تقریروں سے سوتوں کو جگایا اور جذبات کی مردہ رگوں میں جرأت وہمت کا خون بھرا ان کی تقریروں میں لوچ تھا۔ تاثیر تھی دلنشینی تھی۔ شیرینی تھی۔ ملاحت تھی۔ اس کے ساتھ ظرافت کا وہ چٹخارہ تھا جو افسردہ طبیعتوں

کے رخ پر شگفتگی کو کھینچ لاتا تھا اور متانت و وقار کے دلوں کو ہنسنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

مولانا مرحوم میرے بہت پرانے دوست تھے۔ وہ مجھے اپنے ظریفانہ انداز میں لنگوٹیا یار کہا کرتے تھے۔ مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ میں میرا اور ان کا ساتھ دو سال تک رہا۔ اس مدت میں مولانا سے اتنے چٹکلے سنے کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک کتاب بن جائے اس وقت اس مدرسہ میں تقریباً ساٹھ ستر لڑکے زیر تعلیم تھے۔ طالب علموں کی زندگی جیسی روکھی پھیکی اور بے کیف ہوتی ہے۔ کون نہیں جانتا۔ کتاب کے کیڑے بنے ہوئے بیچارے اپنے جذبات مسلتے کچلتے رہتے ہیں دماغی صلاحیتوں کا گرم گرم پسینہ کتابوں کے اوراق پر ٹپکاتے رہتے ہیں آخر یہ خشک دماغی ان کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔ ان طالب علموں میں زندگی کی روح پھونکنے والے اور ان کے مردہ دلوں میں شگفتگی کی جوت بھرنے والے مولانا مرحوم تھے۔ ان کا علم مجلسی خداداد تھا۔ جب وہ طلباء سے چھیڑ چھاڑ شروع کرتے تو منہ سے پھول برستے ایک ایک جملہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ریشم کے لچھوں میں موتی پروئے ہوئے ہیں کیا ممکن کہ ان کی طرف سے ذرا توجہ ہٹ جائے۔ جس جلسے میں مولانا نہ ہوتے وہاں سوکھی روٹیوں کے ٹکڑے چبائے جاتے۔ بے مزہ بے کیف۔

شام کے وقت سب لڑکے صحن مدرسہ میں بغرض تفریح جمع ہوتے۔ مولانا اپنی ظرافت کا پٹارہ کھول دیتے پھر کیا تھا قہقہوں سے فضائے مدرسہ گونج اٹھتی۔ ظرافت ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی وہ اپنی اس افتاد طبیعت سے کسی وقت چوکتے نہیں تھے۔ یہاں تک مجتہدین کرام کے سامنے بھی یہ رنگ پھیکا نہ پڑتا تھا کہ علمائے کرام ان کے لطائف و ظرافت پر بغیر مسکرائے نہ رہ سکتے تھے۔ میں نے اسی وقت یہ اندازہ کر لیا تھا کہ عنقریب مولانا ایک ایسے خطیب بننے والے ہیں کہ جن کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل جائے گی چنانچہ میں نے وہ وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ملک کے ہر گوشہ سے مولانا کے پاس مجلس خوانی کے دعوت نامے آتے تھے اور ہر جگہ ان کا

بڑا شاندار استقبال ہوتا تھا میں نے کئی شہروں میں انکی مجلسیں سنیں۔ بیان کیا تھا ایک سحر حلال تھا جو تمام مجلس کو مسحور کر لیتا تھا۔ بے پناہ مجمع ہوتا تھا۔ ایک ایک فقرے پر تحسین و آفرین کا شور بلند ہوتا تھا اور دور سے لوگ ان کا بیان سننے کے لئے آتے تھے۔ انکا اسلوب بیان بالکل اچھوتا تھا وہ مسائل علمیہ کو ایسے ہلکے پھلکے الفاظ میں ادا کرتے تھے۔ کہ سننے والوں کے دلنشیں ہو جاتے تھے۔ موقع موقع سے ایسے لطیفے بیان کرتے تھے کہ مجلس پھڑک جاتی تھی۔

سنہ ۵۰ء میں جب میں رامپور میں خاص باغ کے عزاخانہ میں ایک عشرہ پڑھ رہا تھا تو رات کو بعد مجلس نواب رضا علی خاں مرحوم اپنے خاص کمرہ میں تشریف فرما ہوتے کئی بار میں نے ان کی زبان سے مولانا کی حاضر جوابی، لطیفہ گوئی اور شگفتہ طبعی کی تعریف سنی۔ ایک بار انہوں نے کہا۔ مولوی لوگ خشک دماغ اور خشک رو ہوتے ہیں۔ مجلس میں ان کی صحبت سے کوئی کیف پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ یہ کمال مولانا سید محمد کو حاصل تھا۔ یا آپ کے اندر میں یہ ملکہ پاتا ہوں۔ اس سلسلہ میں مولانا کے لطیفے سنائے۔

پاکستان بننے کے بعد تقریباً بیس سال ہوئے کہ میں اور مولانا بہت ہی قریب قریب آباد ہوئے۔ دوسرے تیسرے روز ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ خلوت کی نشست میں بے تکلفانہ گفتگو ہوئی۔ کبھی کبھی اور لوگ بھی آجاتے۔ آہ کیسی پُر لطف صحبتیں تھیں جواب کبھی نصیب نہ ہوں گی۔ آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔

محفلیں برہم ہوئیں موقوف صوت قل ہوئی
ایک شمع رہ گئی تھی آج وہ بھی گل ہوئی

شیعہ مطالبات کے سلسلے میں مولانا نے جو جد و جہد کی اسکی نظیر نہیں ملتی۔ ایک ایسا شخص جس نے ہمیشہ راحت و آرام میں زندگی بسر کی ہو۔ ایک ایسا شخص جسکو پیرانہ سالی نے آدبایا ہو اس سے اس محنت و مشقت کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ مگر قومی دردمیں

اٹھ کھڑے ہوتے اور مہینوں گھر سے باہر رہ کر وہ طوفانی دورے تمام پاکستان میں کئے جن کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ انہوں نے شہروں شہروں میں جا کر قوم کو جھنجھوڑا۔ غفلت کے ماتوں کو جگایا منتشر اوراق کو ایک جگہ کیا۔ حکومت سے اپنے مطالبات منوائے یہ معمولی کام نہ تھے۔ جس نے انجام دیئے وہی جانتا تھا کہ کن کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو کر دنیا سے اٹھے۔ اللہ ان کی روح پر طبق طبق رحمت نازل کرے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جناب عالم الرضوی صاحب جنرل سکریٹری مہاجر عوامی پارٹی

"مولانا سید محمد دہلوی اپنی علمی اور قومی خدمات کی بدولت شیعہ اور سنی دونوں فرقوں میں یکساں مقبول تھے۔ علمار کرام کو ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے۔"

جناب ضیاء عباس مسلم لیگ (قیوم گروپ)

"علامہ دہلوی کے انتقال سے علم و ادب کی دنیا کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔"

جناب عبدالرحمٰن خان کنوینر ادارہ اتحاد المسلمین حیدرآباد

"علامہ نے ہمیشہ مسلمانوں کے تمام فرقوں میں یکجہتی و اخوت پر زور دیا ان کی ذات اتحاد بین المسلمین کا بہترین نمونہ تھی۔"

از جناب ڈاکٹر سیّد یاور عباس

نذرِ عقیدت

قوم کے غمخوار تھے سیّد محمدؐ دہلوی — صاحبِ کردار تھے سیّد محمدؐ دہلوی

عالم خوددار تھے سیّد محمدؐ دہلوی — آہنی دیوار تھے سیّد محمدؐ دہلوی

مقصد ملّی کی خاطر کام ہی کرتے رہے — گو بہت بیمار تھے سیّد محمدؐ دہلوی

جس نے دیکھا ہے انہیں اسکے دل سے پوچھئے — کیسے خوش گفتار تھے سیّد محمدؐ دہلوی

اس ضعیفی میں بھی یہ تیور کہ حق کے نام پر — برسرِ پیکار تھے سیّد محمدؐ دہلوی

سب مسلمانوں سے پوچھو فرقہ واری پر نہ جاؤ — کتنے عزت دار تھے سیّد محمدؐ دہلوی

مستقل حیدرؑ کے در پر پاسبانی کیلیے — عزم کی تلوار تھے سیّد محمدؐ دہلوی

اِن گئے وقتوں میں یاورؔ نام پر شبیرؑ کے — ابرِ گوہر بار تھے سیّد محمدؐ دہلوی

(علامہ مولانا سید ابنِ حسن نجفی مدظلہ العالی)

جب مورّخ قلم اُٹھائے گا

خطیب اعظم مرحوم! اُفوہ! مرحوم لکھتے ہوئے تو کلیجے پر چوٹ سی لگتی ہے! نہ جانے کیوں ابھی تک دل و دماغ یہ ماننے کے لئے آمادہ نہیں کہ مولانا سید محمد صاحب قبلہ دہلوی اس دنیا میں نہیں رہے؟ کم از کم مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے وہ اب بھی اپنی کتابوں کے "جزیرہ نما" کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے مخاطب ہیں۔ کسی سے کچھ کہا اور مسکراہٹوں کی ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ کسی نے کچھ پوچھا اور لیجئے علم کے سوتے پھوٹ نکلے۔ اور ہاں! اگر کہیں قوم اور اس کے مسائل کا ذکر خیر آگیا تو بس پھر دیکھا کیجئے، غور و فکر کا ایک طوفان اٹھا اور عزم و عمل کا ایک اتھاہ سمندر امنڈنے لگا!

قائدِ ملّت کی بس یہی ادا اس وقت میری آنکھوں میں پھر رہی ہے اور مولانا کی اسی الوٹ نے ان کی موت کو بھی نہ ختم ہونے والی زندگی کا روپ دھارنے پر مجبور کر دیا ہے!

دہلوی صاحب قبلہ کے دامن وجود میں یوں تو نہ جانے کتنی خوبیاں جمع تھیں؟ ——— لیکن "فکر و عمل" کی نسبت سے مولانا ایک منفرد اور مثالی شخصیت

کے حامل تھے۔ انہوں نے قوم کے لئے اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو بروقت متحرک کیا۔ اور ملّت جعفری کی "تاریخ جدوجہد" میں ایک تابناک ورق کا اضافہ کر گئے۔

وقت بڑا نازک، فضا ناسازگار۔ اندھیرا بھی تھا اور اندھیر بھی! "حق گوئی" کی جرأت ہی رگ گردن کو خنجر کی دھار سے قریب کرنے کے لئے کافی تھی تو پھر اس کے ساتھ "حق طلبی" کی بات سے تو نہ جانے کیا کیا حشر برپا ہوتے اور کیسی کیسی قیامتیں ٹوٹنے کا امکان تھا؟

مگر قائد ملّت نے اپنے خلوص میں جھلے ہوئے ذہن اور ناقابل تسخیر، زلزلہ فگن ارادوں کے برتے پر قوم کی رہنمائی کا بیڑہ اٹھایا اور قدم قدم پر ہوشربا صعوبتوں سے دست و گریباں ہوتے ہوئے کامیابیوں کو اپنے پیروں پر جھکالیا!

کُل پاکستان شیعہ علماء کنونشن ۱۹۶۴ء کے آغاز سے لے کر اگست ۱۹۶۹ء تک قائد ملّت سے میرا بہت قریبی تعلق رہا ہے۔ اس کے بعد مجھے مشرق وسطیٰ اور انگلستان کا بار بار سفر کرنا پڑا جس کے باعث وہ وابستگی نہ رہی۔ بہرکیف جس زمانے میں مجھے مولانا کو نزدیک سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا اس دور کے تاثّرات کا خلاصہ یہ ہے کہ

—— قائد ملّت کے ذہن رسا کو قوم کے زندہ اور حساس مسائل، پورا پورا ادراک تھا اور ان کے ناخن تدبیر میں ان گتھیوں کو سلجھانے کے لئے بلا کی سکت تھی۔

—— وہ فرماں رواؤں کی انتظامی سیاست کے ہر پیچ و خم کو سمجھتے تھے اور خوب سمجھتے تھے۔ نیز اقتدار کی حکمت عملی کے ہر موڑ پر اس کا مسکت جواب دینے کے لئے ہمہ وقت آمادہ رہتے تھے۔

مولانا انتہائی صریح انسان بلکہ صاف گوئی کا معیار تھے۔ اور اس خوبی کے پس منظر میں چونکہ عزم و خلوص کی ہوشربا قوّت بھی کارفرما تھی اس لئے بات میں وزن تھا۔ اور اتنا وزن کہ حریف کو ہمیشہ اپنا سر خم کرنا پڑا۔

مطالبات کی تحریک کو انہوں نے اپنی زندگی کا آخری ہدف بنا لیا تھا۔ اس سلسلے میں وہ ہر کہ دمہ کی بات پر توجہ دیتے تھے۔ ہر چھوٹے بڑے سے مشورہ کرتے تھے اور بر محل اقدام کے وقت کسی مصلحت کو آڑے نہیں آنے دیتے تھے۔

—— قائد ملّت نے پاکستان میں ملّت جعفریہ کی قافلہ بندی کی۔ راہیں بنائیں اور منزل مراد کی نشان دہی کی اور پھر حدی خواں ہو کر کراچی سے لے کر چاٹگام تک اس پورے کارواں کو فکر و عمل کے ایک ہی سانچے میں ڈھال دیا۔

—— یہ ٹھیک ہے کہ اس مھیب دور میں جب مولانا نے کام شروع کیا ہے تو عوام النّاس نے ان کی آواز پر فوراً لبیک کہا۔ لیکن دانشور طبقہ نے "آتش نمرود" کے شعلوں کو دیکھ کر "محو تماشائے لب بام" رہنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی! بنتحتہٗ تحریک کو مؤثر بنانے کے لئے فعال عنصر کی بڑی کمی محسوس ہوئی۔ مگر تحط الرجال کے اس صبر آزما ہنگام میں بھی قائد ملّت نے ذمہ داریاں سونپنے کے معاملے میں کمال فہم و فراست اور انتہائی دور بینی عاقبت اندیشی کا ثبوت دیا۔ وہ ہر ایک کو سمجھتے تھے۔ جانچتے تھے۔ پرکھتے تھے اور جو ان کی کسوٹی پر پورا اترتا تھا اسے جی کھول کر سراہتے تھے۔ اور اس کی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کے لئے بچھ جایا کرتے تھے! یہ ان کی عظمت کی بہت بڑی نشانی تھی۔

—— وہ قول کے پکّے، بات کے دھنی، زود فہم، نکتہ رس، غیر معمولی قوتِ فیصلہ کے مالک اور برق رفتار قائد تھے۔ یہ خوبی گنتی کے رہنماؤں میں دیکھی گئی ہے

کہ ذہن وجسم کی توانائیوں میں اتنی ہم آہنگی پیدا کرلی جائے کہ ادھر کوئی مسئلہ موضوع فکر بنا اور ادھر اسے جامۂ عمل پہنا دیا! اور پھر وہ بھی ۴۷ سال کی عمر اور دل کی بیماری کے ایک سو ستاون حملوں کے باوجود ——

ایسی ہستیاں کبھی کبھی وجود میں آتی ہیں اور پھر آنکھوں سے اوجھل ہونے کے بعد صدیوں تک دل ودماغ کی پرورش کرتی رہتی ہیں!

یہ ٹھیک ہے کہ ابھی تاریخ نے اپنا فیصلہ نہیں لکھا ہے۔ مگر جب کبھی بھی مورّخ قلم اٹھائے گا۔ تو اسے یہ جملہ ضرور رقم کرنا پڑے گا کہ سید محمد دہلوی بیسویں صدی کا وہ جرأت مند نابغہ تھا جس نے شب تاریک میں ہولناک موجوں کی ہنسی اڑائی، اور کلیجہ پانی کر دینے والے گردابوں کو ٹھوکر لگا کر قوم کی کشتی کو ساحل سے لگا دیا!

سچ ہے ان کا شمار ان ہی لوگوں میں ہوگا جن کی روحیں کمال فخر کے ساتھ اعلان کرتی ہیں ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(اقتباس)

جناب صادق حسین (جماعت اسلامی

"ان کے دنیا سے اٹھ جانے سے ہم ایک ممتاز عالم دین اور دین ودانش کے پیکر سے محروم ہوگئے۔ ان کا کوچ کر جانا کسی ایک فرقے کے لئے نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے باعث رنج وملال ہے۔"

جناب حافظ محمد اسلام کے قلم سے

ایک چراغ اور گُل ہوگیا

گزشتہ دنوں ایک چراغ اور گل ہوگیا، اور علامہ سید محمد دہلوی بھی ابدکی پہنائیوں میں گم ہوگئے۔ علم وفضل کا آفتاب غروب ہوگیا، حسن اخلاق کا پیکر، انکساری اور وضعداری کا مجسّمہ، طلباء کا مشفق استاد، اور چمنستانِ ملّتِ اسلامیہ کا چہکتا ہوا بلبل ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا۔ علّامہ رح کی وفات ایک سانحۂ عظیم ہے، اور بالکل موتُ العالِم موتُ العالَم کے مصداق ہے انہوں نے زندگی بھر قوم کی خدمت کی، کبھی نام ونمود کی خواہش نہیں کی زندگی میں مصیبت آئی تو صبر وتحمل سے کام لیا، شادمانی نصیب ہوئی تو خدا کا شکر ادا کیا کسی معاملہ میں ناکامی ہوئی تو اپنی سعی میں کوتاہی کو اس کا سبب قرار دیا کامیابی ہوئی تو حق تعالیٰ کا فضل قرار دیا۔ کمالِ علم وفضل کے باوجود اپنے آپ کو ہمیشہ طالبعلم ہی کہتے رہے۔ کبھی اپنے علم پر غرور نہیں کیا۔

وہ کہا کرتے تھے کہ علم کی کوئی حد اور انتہا نہیں۔ جو لوگ اترانے لگتے ہیں وہ اپنے لئے علم کا دروازہ خود بند کرلیتے ہیں اور جہالت کا راستہ کھول دیتے ہیں۔

مجھے ان کی نیازمندی کا شرف حاصل رہا ہے اکثر ان کی خدمت میں باریاب ہونے کا موقع ملتا تھا اور گفتگو کا موضوع ہمیشہ کوئی نہ کوئی علمی مسئلہ ہوا کرتا تھا۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ دو دو تین ماہ ان کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا۔ غیر حاضر رہنے

کی جیب میں معذرت کرتا تو بزرگانہ شفقت کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہتے کہ اس زمانہ میں اول تو علمی ذوق ہی تلپٹ ہو گیا ہے، اور اگر اللہ نے کسی کو یہ ذوق عطا کیا ہے تو وہ مصروفیات کا شاکی ہے۔ اس سرزنش کے بعد کوئی نہ کوئی مسئلہ چھڑ جاتا جس کا تفصیلی تجزیہ کرتے، متعدد سوال قائم کرتے، دلائل سے جواب دیتے اور اس طرح گھنٹوں گزر جاتے تھے۔

ایک مرتبہ ریاست حیدرآباد پر بھارتی حکومت کی چڑھائی اور مسلمانوں کی بربادی کا تذکرہ چل نکلا، حضرت علامہؒ نے انکشاف کیا کہ ریاست حیدرآباد کی خوفناک تباہی کو روکنے کی کوششوں میں خود انہوں نے بھی اہم کردار ادا کیا تھا مگر تقدیر کے لکھے کو کوئی نہیں مٹا سکتا، اس لئے کوششیں ناکام رہیں۔

میں نے تفصیلات معلوم کرنے کی غرض سے گفتگو کا سلسلہ بڑھاتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت! حالات تو بظاہر جس طرح پیش آئے ان کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی مشکل ہی سے یہ باور کریگا کہ بھارتی حکومت کسی پُرامن آئینی تصفیہ پر رضامند ہو جاتی۔

کہنے لگے۔ اب تو یہی کہا جائے گا لیکن اس وقت ایک موقع ایسا آیا تھا کہ آبرومندانہ تصفیہ ہو سکتا تھا۔

انہوں نے جو تفصیلات ارشاد فرمائی تھیں، وہ ان ہی کی زبانی سنئیے، فرمانے لگے:

"میں دلّی میں تھا کہ اگست ۱۹۴۸ء کے آخری عشرہ میں نواب صاحب رامپور نے مجھے طلب کیا، میں رامپور پہنچا تو انہوں نے کہا۔ جناب ریاست حیدرآباد پر تباہی آنیوالی ہے۔ نظام دکن آپ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ میں بھی آپ کو اپنا گہرا دوست سمجھتا ہوں، میں نے بھارتی حکومت سے بات چیت کی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ ریاست حیدرآباد کا حکومت کی نگاہ میں کچھ بھرم ہے۔ اگرچہ انتہا پسند ریاست کی تباہی پر تلے ہوئے ہیں۔ مگر معتدل مزاج قیادت معاملہ کو نمٹانے کے لئے کچھ نرمی برتنے کو بھی تیار ہے کیوں نہ

اس موقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ میں نظام دکن کے نام آپ کو ایک خط دیتا ہوں ، راز داری کے ساتھ انہیں پہنچا دیجیے اور جواب لائیے تاکہ میں بات چیت آگے بڑھاؤں۔

میں نے مختصراً پوچھا۔ نواب صاحب آخر مفاہمت کی تجویز کے نکات کیا ہیں۔

نواب صاحب نے جواب میں کہا۔ نظام کو خصوصی شرائط کے ساتھ انڈین یونین کے ساتھ الحاق کرنا ہوگا۔ وہ الحاق کے لئے آمادہ ہوں تو زیادہ سے زیادہ مراعات دلوانے کی کوشش کی جائے، اس کی خاصی گنجائش موجود ہے۔ ریاست کا بھرم بھی قائم رہیگا اور کشت وخون بھی نہیں ہوگا، لیکن اگر نظام الحاق کے بجائے آزادی پر اڑ گئے تو مجھے یقین ہے کہ کوئی ان کا ساتھ نہیں دے سکے گا، فوجی تصادم ہوا تو بات بہت بگڑ جائیگی اور بے حد نقصان الگ ہوگا۔

ان کی مختصر سی گفتگو کے بعد میں پیامی کے فرائض انجام دینے کو تیار ہوگیا۔

نواب صاحب رامپور نے مراسلہ تیار کرایا، لفافہ اپنے ہاتھ سے بند کرکے مہر لگائی اور مجھ سے کہا کہ اسے اپنی صدری کی اندرونی جیب میں محفوظ کرلیجیے۔ نظام کے علاوہ یہ خط کسی کو نہ دیجیے گا۔

میں دلّی آیا اور ہوائی جہاز کے ذریعے حیدرآباد پہنچا۔ میرے پاس صرف چھوٹا سا ایک بریف کیس تھا اور اس میں بھی کوئی خاص شے نہ تھی۔ حیدرآباد کے ہوائی اڈے پر عموماً مسافروں کی ان دنوں تلاشی لی جانے لگی تھی۔ لیکن میرے مختصر ترین سامان میں کوئی ایسی چیز ہی نہ تھی جس کا مجھے ڈر ہوتا۔ میں نے کہا بھی کہ بریف کیس کھول کر دیکھنا چاہا جائے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں مگر تلاشی کی نوبت نہیں آئی ، میں سیدھا کنگ کوٹھی پہنچا۔ ڈیوڑھی پر اطلاع کی اور نظام سے فوری ملاقات چاہی۔

ڈیوڑھی پر مجھے روک لیا گیا' اور کہا گیا کہ میں پوری تلاشی دوں تب اندر جانے دیا جائے گا۔ میں نے انکار کردیا اور کہا کہ حضور نظام کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ میں نے تلاشی

دینے سے انکار کر دیا ہے اور فوری باریابی چاہتا ہوں۔

بارے آدھے گھنٹے کے بعد حکم آگیا کہ بلا کسی تلاشی کے آنے دو۔ چنانچہ میری باریابی ہو گئی۔

نظام نے دیکھتے ہی کہا:

'مولوی سید محمد تم کیسے آتے ؟ - خیریت تو ہے ؟'

میں نے کہا نواب صاحب رامپور کا ایک خط لایا ہوں، جس کا جواب درکار ہے اور وہ جواب فوراً ہی انہیں پہنچانا ہے۔

نظام نے کہا: لاؤ کہاں ہے وہ خط۔

میں نے شیروانی کے بٹن کھولے اور پھر صدری کی اندرونی جیب میں سے خط نکال کر پیش کر دیا۔

نظام بغور دیکھتے رہے اور خط ہاتھ میں لیکر کہنے لگے۔

تم نے بڑی ہمت کی جی - ہوائی جہاز سے اترتے ہوئے تلاشی میں اس خط کو کیسے چھپایا ہوگا؟

میں نے کہا: اتفاق سے میری تلاشی نہیں لی گئی۔ ڈیوڑھی پر محافظوں نے تلاشی لینے کی کوشش کی تو میں نے انکار کر دیا تھا۔

نظام کہنے لگے: شاباش جی شاباش ! ہم تمہارے ممنون ہیں۔

یہ کہہ کر خط کا لفافہ چاک کیا، مضمون پڑھا اور سوچ میں ڈوب گئے۔

میں نے کہا: جواب کب عنایت ہوگا؟

نواب نے کہا: آج کا دن تو ٹھیرو جی - کل جواب مل جائے گا۔ لے جانا۔ اب آرام کرو

میں نے واپس آکر آرام کیا۔ رات کو خاصے کا کھانا پہنچا - چوبدار کو بخشش دیکر وصول کیا۔

اگلے دن طلبی پر باریاب ہوا۔ نظام نے کہا۔ ہمارے دوست سے کہہ دینا۔ شکریہ۔ خط مل گیا۔ زیرِ غور ہے۔ جواب پہنچ جائے گا۔

میں نے کچھ عرض کرنا چاہا۔ جواب ملا۔ فکر نہ کرو ہمیں معاملہ کی نزاکت کا احساس ہے اچھا خدا حافظ۔

میں اُلٹے قدموں واپس ہوا۔ سیٹ بک کرائی واپس دہلی اور پھر رامپور پہنچا فوراً نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شکل دیکھتے ہی بولے۔

کیا جواب لائے؟ پہلے میں نے کچھ تردّد کیا۔ پھر ساری بات سنائی۔

نواب صاحب نے کہا: "انّا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ مولوی صاحب افسوس حیدرآباد تباہ ہوگیا۔

اس کے بعد جو واقعات پیش آئے وہ سب ہی کو معلوم ہیں۔

یہ واقعات سنانے کے بعد علاّمہ کہنے لگے۔ بعد میں پتہ چلا کہ نظام کے مصاحبوں نے انہیں نواب صاحب رامپور کا مشورہ قبول کرنے سے روک دیا تھا۔

میں نے اس واقعہ کی تفصیلات محض حافظہ کی مدد سے قلمبند کی ہیں۔ ممکن ہے ایک آدھ جملہ کا فرق ہوگیا ہو، تاہم میں نے علامہ کے الفاظ ہی میں تفصیلات بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں مسلمان قوم کی فلاح و بہبود اور مستقبل سے کس قدر گہری دلچسپی تھی۔

—

اب ایک واقعہ علاّمہؒ کے حافظے اور علمی یادداشت کا سُن لیجیے۔ ایک مرتبہ بحری جہاز رانی میں مسلمانوں کے کارناموں کا ذکر چل نکلا۔ میں نے عرض کیا۔ اُردو میں اس موضوع پر لٹریچر کی بہت کمی ہے۔

فرمانے لگے۔ مواد تو بہت ہے مگر استفادہ کی فرصت کسے ہے۔ سید سلیمان ندوی

نے "عربوں کی بحری جہازرانی" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، ایک کتاب "مسلمان امیرالبحر" کے نام سے کسی نے لکھی ہے۔ مگر وہ بچوں کے مطلب کی ہے۔ عربی فارسی میں پڑھو تو...

اس کے بعد وہ کتابوں اور مصنفوں کے نام گنوانے لگے!

میں نے عرض کیا کہ علامہ سید سلیمان ندوی کی کتاب طالبعلمی کے زمانہ میں پڑھ چکا ہوں

جواب میں ارشاد فرمایا۔ میاں! اب بھی طالبعلم ہی ہو۔ کتاب پھر دُہراؤ! کل آنا میں عربی اور فارسی کی کتابیں بھی نکال رکھوں گا!

میں رات کو گھر پہنچا تو سید سلیمان ندوی کی کتاب کا ان کے ارشاد کے مطابق مطالعہ کیا۔ اگلے دن حاضر ہوا۔ علامہ رح نے گفتگو سے اندازہ لگالیا کہ میں ان کی ہدایت کے مطابق کتاب پڑھ کر پہنچا تھا، بے حد خوش ہوئے اور میز پر رکھی ہوئی کتابوں کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

اب تمہیں ان کتابوں سے استفادہ کا حق پہنچتا ہے۔

گزشتہ عام انتخابات سے تین چار ماہ قبل عراق میں مقامات مقدسہ کی بے حرمتی، علمائے کرام پر مظالم اور اوقاف کے سرکاری تحویل میں لئے جانے کی خبریں آئیں، علامہ رح بے چین ہوگئے۔ ایک روز میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے۔

میاں اب مسلمان اس قدر بے حس ہوگئے ہیں کہ انہیں اپنے آثار و مقاماتِ مقدسہ سے بھی وابستگی واجبی سی رہ گئی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اس معاملہ میں ارباب علم کی بھی کوتاہی ہے وہ ایسے جھنجھٹوں میں گرفتار ہیں کہ جدید زمانہ کی ضروریات کے مطابق انہوں نے آثارِ مقدسہ پر کوئی علمی کتاب بھی تالیف کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی۔ میں اب بوڑھا بہت ہوگیا ہوں ورنہ یہ کام خود کرتا۔ کہو تم ہمت کرتے ہو؟

میں نے عرض کیا۔ میں جس قابل ہوں حاضر ہوں، لیکن یہ کام یکسوئی کے ساتھ محنت چاہتا ہے میرے مشاغل ایسے ہیں کہ یکسوئی بہت کم میسّر آتی ہے۔

فرمانے لگے : میاں وقت نکالو۔ بلاد اسلامیہ کا دورہ کرو۔ مواد جمع کرو۔ پھر لکھو۔ بلاد اسلامیہ میں علماء اور فضلا سے میرے بھی روابط ہیں ، وہ اس کام میں خوشی خوشی مدد کریں گے۔

میں نے عرض کیا : تالیف کے لئے میں آمادہ ہوں ، بندوبست کے لئے آپ صرف دعا فرمادیں۔ اللہ ضرور کوئی سبیل نکال دیگا۔ بہت خوش ہوئے۔ اسی وقت ہاتھ اٹھائے ، دعا فرمائی۔

میں نے بعد میں کچھ ابتدائی کام بھی کیا ، لیکن ہمہ وقت مشاغل نے ایسا گھیر رکھا ہے کہ حضرت علامہؒ سے جو وعدہ کیا تھا وہ ابھی تک پورا نہیں کر سکا ہوں۔

علامہ کی گفتگو اور تقریر دونوں کا انداز بڑا دلنشیں تھا۔ چھوٹے چھوٹے جملے ہوتے تھے۔ زبان نہایت آسان اور سلیس ، مزاح نہایت شائستہ ، طنز نہایت دلکش ہوتا تھا ، زبان پر بے پناہ عبور تھا ، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ محاورے اور مترادفات کے پرے ہاتھ باندھے حاضر رہتے ہیں ، اور علامہؒ جس سے جو چاہتے ہیں جیسے چاہتے ہیں ، کام لیتے ہیں۔ حافظہ ایسے غضب کا پایا تھا کہ سالہا سال پہلے کا مطالعہ ضرورت پڑتے ہی غلاموں کی طرح سامنے آکھڑا ہوتا تھا۔ اور علامہؒ بے تکان حوالے دیدیا کرتے تھے۔ علامہ بے حد خلیق ، ہنس مکھ ، ملنسار اور وضعدار انسان تھے مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ رحلت کر گئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید دورہ پر باہر گئے ہوئے ہیں اور بہت جلد آجائیں گے۔

از جناب ملّا واحدی صاحب

خطیب اعظم

دلّی میں لکھنے والوں اور بولنے والوں کی کمی نہیں تھی، لیکن ایسے لکھنے والے اور بولنے والے جن کے نام دل پر نقش ہو گئے ہیں، اور جنہیں ممکن ہے مورّخ یاد رکھیں، تھوڑے ہوا کرتے ہیں۔ اس وقت ممتاز شاعروں اور انشاء پردازوں کا ذکر مقصود نہیں ہے، ممتاز مقرّر اور خطیب میں نے اپنے زمانے میں صرف چار دیکھے۔ (۱) سید حیدر رضا، (۲) مولوی احمد سعید (۳) مسٹر آصف علی (۴) علامہ سید محمد۔ حسب ترتیب عمر۔ سید حیدر رضا اور مسٹر آصف علی مقرر تھے۔ مولوی احمد سعید کا شمار مقرّروں میں بھی کیا جا سکتا ہے اور خطیبوں میں بھی۔ عَلّامہ سید محمد خالص خطیب تھے۔

مقرّر سے میری مراد سیاسی تقریریں کرنے والے ہیں، اور خطیب سے مراد دینی خطبے دینے والے۔ سیاستِ اسلام کا جزو ضرور ہے، مگر لوگوں نے سیاست کو اسلام کا جزو نہیں رہنے دیا۔ بلکہ اسلام کو سیاست کا جزو بنا دیا ہے۔ اس وجہ سے میں مقرّر اور خطیب میں فرق کرتا ہوں۔

مجھے علامہ سید محمد دہلوی کے والد ماجد جناب مولوی آفتاب حسین کا شاگرد ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ جو درویش صفت اور بے حد خاموش بزرگ تھے۔ علامہ کے ساتھ تعلق سیدی خواجہ حسن نظامی کے توسّط سے رہا۔ توسط کے معمولی تعلق کے باوجود علامہ میونسپل کمیٹی کے الکشن میں ہمیشہ میرے علاقے کے شیعہ ووٹروں کو حکم بھیجا کرتے تھے کہ "واحدی صاحب کو ووٹ دینا"۔ سید علی احمد جعفری، ایجوکیشن افسر، میونسپل کمیٹی نے اُن سے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا۔" واحدی

صاحب کا مقابلہ کسی شیعہ سے ہوتب بھی میں واحدی صاحب کی مدد کروں گا"۔
یہ حقیقتاً خواجہ صاحب کی دوستی کا اثر تھا۔ خواجہ صاحب سے علّامہ کے غیر معمولی تعلقات اور مراسم تھے۔ خواجہ صاحب علامہ کے قدر شناس تھے اور علامہ خواجہ صاحب کے قدردان۔

افسوس ہے میں اس جلسے میں موجود نہیں تھا، جو خواجہ صاحب کے زیر اہتمام منعقد ہوا تھا، اور جس میں سروجنی نائیڈو جیسی بے مثال مقرر نے شعلے اور پھول برسائے تھے۔

سروجنی نائیڈو (طوطی ہند) کی تقریر کے بعد کسی خطیب کا خطاب کرنا اور مجمع پر چھا جانا واقعی علامہ سید محمد کا وہ کارنامہ تھا کہ خواجہ صاحب کی زبان سے بے اختیار علامہ کے واسطے خطیب اعظم کے الفاظ نکلنے چاہئے تھے۔ پھر خواجہ صاحب نے علامہ کا نام جب لیا۔ اور جب لکھا، خطیب اعظم لگائے بغیر نہیں لیا اور نہیں لکھا۔ علامہ سید محمد کی طلاقت میں سروجنی نائیڈو کو مسحور کر دینے کی طاقت تھی اور سنا ہے کہ مسحور کر دیا تھا۔

کراچی کی نئی نسل شاید واقف نہ ہو، کراچی پہنچ کر علامہ سید محمد نے بوڑھوں اور پنشنروں کی سی زندگی بسر کی، دلّی میں علامہ دلّی اور دلّی سے باہر، سارے برصغیر کے عوام وخواص کے محبوب تھے۔ ان کے پھالس چُبھتی تھی تو معتقدوں کی نیند حرام کر دیتی تھی، اور نواب رام پور اور نظام حیدرآباد تک بے چین ہو جاتے تھے۔

اتنا با اثر خطیب کم از کم دلّی میں دوسرا نہیں تھا۔

علامہ سید محمد بات چیت بھی شگفتگی سے کیا کرتے تھے۔ سادہ طبع اور تکبّر وغرور سے بالکل پاک تھے۔ انکسار مولوی آفتاب حسین سے ورثے میں پایا تھا۔

از سیّد احمد جوہر

رامپور سے کراچی تک

۱۹۴۳ — ۱۹۵۲

یہ سنہ ۱۹۴۳ء کی بات ہے۔ جب ریاست رامپور کے نواب ہز ہائینس رضا علیخاں مرحوم تھے۔ پرنس مرتضیٰ علی خاں ولی عہد بہادر ریاست عالیہ رامپور کی شادی ہونا قرار پائی۔ نواب صاحب رامپور خود بہ نفس نفیس دہلی تشریف لائے اور قبلہ گاہی سے شادی میں شرکت کی فرمائش کی جس کو انہوں نے قبول کرلیا۔ شادی کے دوران سرکار نصیر الملّت مرحوم نے اعلیٰ حضرت سے والد مرحوم کا عربک کالج سے استعفیٰ دینا اور مسٹر واکر کا مجالس پڑھنے کے لئے چھٹی منظور نہ کرنے کا واقعہ تفصیل سے سُنایا۔ نواب صاحب رامپور پر بیحد اثر ہوا۔ انہوں نے قبلہ گاہی کو فوراً رامپور آجانے کیلئے پیغام بھجوایا۔ انہوں نے فوری طور پر کوئی قطعی جواب نہ دیا۔ ان کے پیش نظر ریاستوں کی داستانیں تھیں کہ کس طرح اچانک کسی عہدے پر تقرر کیا جاتا تھا اور کس طرح اچانک دوسری صبح ریاست کو چھوڑنے کے احکامات صادر ہوجاتے تھے۔ نیز وہ پابندیاں اور قیود جو ان پر دوران قیام عائد ہوسکتی تھیں اور جن کے وہ عادی نہ تھے ان کا بھی خیال تھا۔ غرضکہ اسی کشمکش میں دو ماہ گذر گئے۔ آخر اعلیٰ حضرت نے بذاتِ خود ان کو طلب فرمایا اور یہ کہا کہ ان کے قیام کا مقصد خدمت دین ہوگا اور ان پر کوئی غیر ضروری پابندی نہ ہوگی اور نواب صاحب بہادر ایک ایسے ادارے کی بنیاد ڈالیں گے

جس کے باعث ان کے آبا و اجداد کا خدمتِ دین کے لئے نام روشن رہے گا۔ بہت غور و فکر کے بعد یہ طے پایا کہ "تفسیر قرآن پاک" کا ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے جس میں ہر مکتبۂ فکر کے لوگ ہوں گے۔ علماء، قانون داں، تاریخ داں، محقق غرضیکہ ہر طرح کے فضلاء کا بلا تخصیص فرقہ انتخاب کیا گیا اور یہ پہلا موقع تھا کہ تفسیر قرآن کے ذیل میں تقریباً سو علماء اور مفکرین کا اجتماع ہوا۔ اور انہوں نے اپنے اپنے موضوع پر تقریریں کیں اور یہ طے پایا کہ اس طرح کے اجلاس اکثر ہوا کریں گے۔ ادارے کا نام "تفسیر رضوی" رکھا گیا اور قبلہ گاہی خطیب اعظم اس ادارے کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ نیز ریاست کا دوسرا عہدہ "ناظم امور مذہبی" بھی ان کے سپرد کر دیا گیا۔

"تفسیر رضوی" کے متعلق انشاء اللہ کسی اور موقع پر تفصیلات پیش کی جائیں گی کہ اس ادارے نے تفسیر قرآن پر اپنی نوعیت کا کیا کام انجام دیا۔ مختصراً یہ ہے کہ اس ادارے کے روحِ رواں جناب خطیب اعظم تھے اور ان کے معاونین میں مستقلاً مولانا محمد سبطین صاحب قبلہ مرحوم، مولانا محمد رضی صاحب قبلہ مرحوم بنارسی اور حافظ کفایت حسین صاحب قبلہ مرحوم شامل تھے۔ آخری دور میں جناب خان بہادر ڈاکٹر اعجاز حسین پی ایچ ڈی بھی تشریف لے آئے تھے اور وہ بھی اس کارِ خیر میں شریک ہو گئے تھے۔ بیرونجات سے مستقلاً ہر دوسرے، تیسرے ماہ علماء کرام تشریف لاتے تھے جن میں سرکار سعید الملّت مدظلہٗ العالی، جناب مولانا محسن نواب صاحب قبلہ، جناب مولانا کلب حسین صاحب قبلہ جیسی قابل ذکر ہستیاں شامل تھیں۔ والد مرحوم دن رات تفسیر رضوی کی تیاری میں منہمک رہتے تھے۔ اس تفسیر کا صرف دیباچہ ہی تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل تھا۔ تفسیر کے ۱۳۶۵ عنوانات تھے اور ہر عنوان کی تقریباً سو سے زیادہ ذیلی سرخیاں تھیں۔ کاش تقسیم ہند کے بعد ریاست رامپور کا آفتاب غروب نہ ہوتا اور مرحوم نواب رامپور اپنی حیات میں اس تفسیر کو طبع کرا دیتے تو رہتی دنیا

تک اس "تفسیر قرآن" کے باعث ریاست رامپور کا نام روشن رہتا۔ قبلہ گاہی دن رات اس تفسیر کے مکمل کرنے میں اور مختلف علماء کے مضامین جو موصول ہوتے تھے۔ ان کو مرتب کرنے میں مشغول رہتے تھے۔ اول تو کتب خانہ ریاست عالیہ ہی کا ذخیرہ موجود تھا لیکن قبلہ گاہی اپنے ذاتی کتب خانے کا ایک حصّہ جو بیش بہا کتابوں کے ذخیرے پر مشتمل تھا اور جس میں ایسی کتب موجود تھیں جو رامپور کے کتب خانے میں بھی نہ تھیں۔ اس کو بھی اپنے ہمراہ دلی سے رامپور لے گئے تھے۔

جب استقلال پاکستان کا اعلان ہو چکا تو انگوری باغ رامپور کا مکان جہاں قبلہ گاہی مقیم تھے۔ ۴ اگست ۱۹۴۷ء کو یہ کہکر کہ مولانا پاکستان کے ہمدرد ہیں اور پاکستانی خیالات رکھتے ہیں، تمام کا تمام مع گھر کے ساز و سامان کے جلا دیا گیا۔ والد مرحوم کو جہاں ان نایاب کتابوں کے جلنے کا افسوس تھا۔ وہاں سب سے زیادہ ملال اس کلام پاک کے نسخے کے جل جانے کا تھا جو انتہائی قدیم تھا اور 'پوست آہو' پر لکھا ہوا تھا اسے ان کے ایک ایرانی دوست نے بطور یادگار دیا تھا۔ اس وقت کے اندازے کے مطابق صرف اس حصّہ کتب خانے کی قیمت ریاست کی جانب سے تقریباً چالیس ہزار روپے معین کی گئی تھی۔ باقی حصہ کتب خانے کا جو دہلی میں تھا وہ محفوظ رہا۔ جو بعد میں حقیر اپنے ہمراہ پاکستان لے آیا۔ یہ تقریباً آٹھ ہزار کتب پر مشتمل تھا جس کو قبلہ گاہی مرحوم نے اپنے دوست حاجی داؤد ناصر صاحب کے نام سے موسوم کیا اور کتب خانۂ حاجی داؤد ناصر کہلایا۔ اس کی قیمت کم از کم ایک لاکھ روپے ہو گی۔

انتقال سے صرف چند ماہ قبل ایک جلسۂ عام میں "مکتبۃ العلوم ٹرسٹ" جس کے بانی حاجی حسن علی پیرابراہیم ان کے دوست ہیں۔ یہ کہہ کر ان کے سپرد کر دیا کہ یہ ایک قومی امانت ہے۔ جس کے آپ مستحق ہیں۔ میری نیت اس کو ہمیشہ وقف علی القوم کرنے کی تھی جو میں نے اب آپ کے سپرد کر دیا ہے کہ آپ اس کو وقف علی القوم کر دیں

اس کو محفوظ رکھیں تاکہ قوم کا علم دوست طبقہ پوری طرح اس سے فیض حاصل کر سکے۔
خطیب اعظم کا یہ عظیم کتب خانہ جوان کے والد ماجد مولانا آفتاب حسین قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ کے زمانے میں بالکل مختصر تھا۔ قبلہ گاہی مرحوم نے اس میں بڑی قربانیوں کے بعد اضافہ کیا تھا۔ آج اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اکثر و بیشتر ان کی کالج کی تنخواہ اس کتب خانے کی نذر ہو جاتی تھی۔ کالج کے دورانِ ملازمت تنخواہ کے دن اکثر حقیر کو وہ کالج طلب فرماتے تھے۔ واپسی پر جامع مسجد کی سیر ہوتی تھی اور اس حقیر کی فرمائشیں پوری کی جاتی تھیں۔ اس وقت میری عمر بہت کم تھی۔

ایک دفعہ آغاز ماہ میں حقیر سے سائیکل دلوانے کا وعدہ فرمایا۔ اس دن کالج سے واپسی پر جامع مسجد پہنچکر حقیر کو فالودے والے کے یہاں فالودہ کھلانے بٹھا دیا اور فرما گئے کہ فالودہ کھا کر سامنے آجاؤ۔ ہم چند کتب خرید رہے ہیں پھر سائیکل دلوائیں گے۔ آج بھی وہ واقعہ اسی طرح تازہ ہے جیسے کل پیش آیا ہو۔ جس وقت میں اس کتب فروش کی دوکان پر پہنچا تو دیکھا کہ کتابوں کا ڈھیر سامنے لگا ہوا ہے اور بیحد مسرور ہیں۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی ایک سکوت طاری ہو گیا۔ یہ افسردگی میری فرمائش پوری نہ کرنے کے باعث تھی۔ ایک لمحہ کشمکش میں خاموش رہے۔ اس کے بعد عجب انداز شفقت سے میرے سر پہ ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔ میاں آج تمام پیسے ان کتابوں کی نذر ہو گئے بھئی اگلے ماہ مع جرمانے کے تم کو سائیکل دلوائی جائے گی۔ راستے میں فرمانے لگے۔ بیٹا سائیکل دوسری مل سکتی ہے۔ لیکن اگر یہ کتابیں آج کسی اور نے خرید لی ہوتیں۔ تو مجھے زندگی بھر ملال رہتا۔

غرضکہ کہاں تک لکھا جائے۔ کتابیں جمع کرنے کا مرحوم کو شوق ہی نہیں تھا بلکہ عشق تھا اور عشق ہی نہیں بلکہ جنون تھا۔ اگر کسی دوست سے فرمائش کرتے تو صرف کتابیں لانے کی۔ خدا کرے کہ ان کا یہ نایاب کتب خانہ جس کو وہ اپنی زندگی کا سرمایہ

سمجھتے تھے۔ قوم کے کام آجائے اور مکتبۃ العلوم اس سے صحیح استفادہ کرسکے اور علم کے پیاسے اس سے سیراب ہوں۔ ان کی روح کو ثواب ملے۔

۴ر اگست ۱۹۴۷ء کے اس واقعہ نے جس کے باعث کتب خانہ جلا۔ مکان جلا۔ تن پر صرف کپڑے رہ گئے۔ اس واقعہ نے مرحوم کو اتنا دل برداشتہ کیا کہ پھر رامپور میں دل نہ لگا اور آخرش ۱۹۴۸ء کے آخر میں رامپور کو خیرآباد کہکر بمبئی پہنچے اور سرکار کو استعفیٰ بھیج دیا جس کے بعد جناب حاجی داؤد ناصر صاحب کے مشورے سے اس حقیر کو یہ تمام کتب خانہ سپرد کرکے پاکستان روانہ کردیا۔ اور آخری ہدایت فرمائی کہ اس کتب خانے کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھوں۔

جس کی راقم الحروف نے ۱۹۵۲ء تک جب تک کہ وہ خود پاکستان تشریف نہ لے آئے اپنی جان سے زیادہ حفاظت کی۔

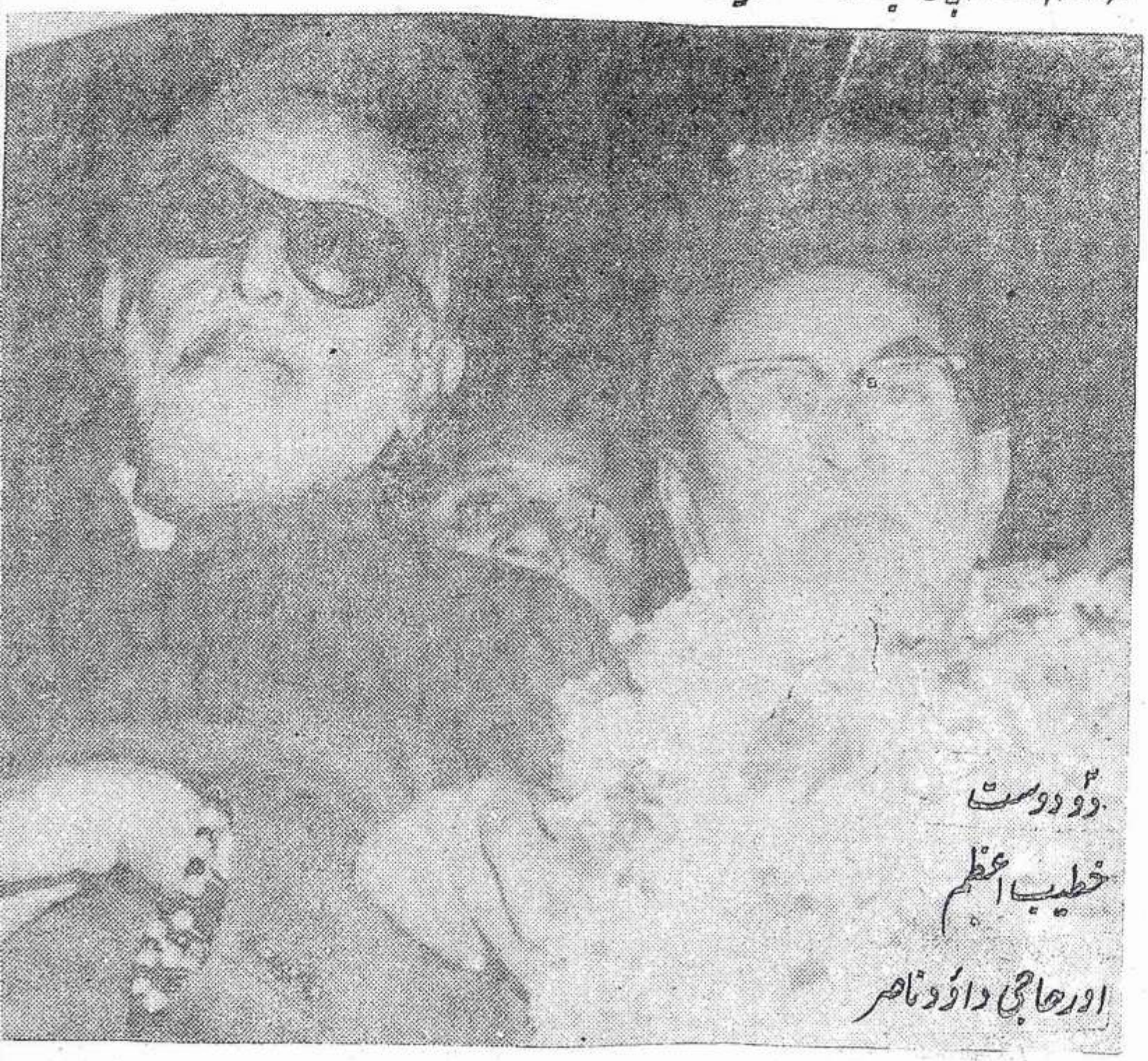

دو دوست

خطیب اعظم

اور حاجی داؤد ناصر

سیّد ضیاء الحسن موسوی

خطیبِ اعظم حرسہ اللہ

سنہ ۱۹۷۱ء

مرجائے اگر مومن مولاؑ کی محبّت میں
کیا شک ہے بھلا اُس کی مقبول شہادت میں
اور بندۂ مومن گر عالم بھی ہو ذاکر بھی
جنّت میں رہے گا وہ شبّیر کی خدمت میں
اور اُس کی خطابت سے گر دین کی خدمت ہو
طُرّہ یہ شرف کا ہے دستارِ فضیلت میں
جو علم بھی رکھتا ہو اور ساتھ عمل بھی ہو
سیّد وہ نمایاں ہے اربابِ سیادت میں
اور نام اگر اُس کا ہم نام محمّدؐ ہو
اے صلّ علیٰ ہمدم اعلیٰ ہے وہ نسبت میں

ہم سوگ میں بیٹھے ہیں جس رہبرِ ملّت کے
مصروف رہا ہر دم وہ قوم کی خدمت میں
سیّد بھی محمدؐ بھی تھا نام کا جزو اُن کے
منسوب تھے دہلی سے شاہی تھی طبیعت میں
تھا سحر مقال اُن کا جادو تھا بیاں اُن کا
تقریر میں تھے یکتا بے مثل خطابت میں
راضی بہ رضا رہنا یہ جوہرِ ذاتی تھا
اوصافِ حمیدہ تھے مرحوم کی فطرت میں
وہ مر کے ہوئے زندہ ہے قوم کا دل مُردہ
گرداب میں کشتی ہے سَرداب ہے غیبت میں
وہ زیست میں بھی اپنی فردوسؔ کے ساکن تھے
اِخلاص میں کوثر تھے تسنیم محبّت میں
پوچھے جو حسنؔ کوئی ہجری کا سنِ رحلت
کہہ دو کہ گئے ہیں اب فردوس سے جنّت میں

۱۳۹۱ھ

سید محمد رضا زیدی

مطالبات اور خطیب اعظم

تحریک پاکستان میں بلا اختلاف مسلک تمام مسلمان شریک تھے۔ اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس تحریک کے قائد اعلی اور پاکستان کے بانی محمد علی جناح رح شیعہ اثنا عشری خوجہ جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں کل ہند مسلم لیگ کے روح رواں اور اس کے لئے سب سے زیادہ مالی امداد دینے والے راجہ صاحب محمود آباد تھے۔ مسلم مرکزی قیادت میں راجہ غضنفر علی مرحوم جیسی شخصیات بھی شامل تھیں۔ بمبئی مسلم لیگ کے صدر حاجی حسن علی پیر ابراہیم تھے۔

قرارداد پاکستان پاس ہونے کے بعد جب کانگریسی حلقوں نے یہ غلط فہمیاں پھیلائیں۔ کہ پاکستان میں حنفی شریعت نافذ ہوگی۔ اور جعفری فقہ کا کوئی مقام نہ ہوگا۔ اور شیعوں کے بعض حلقے اس پر ہراساں ہوئے تو مہاراج کمار امیر حیدر خان صاحب آف محمود آباد نے قائد اعظم رح کو ان اندیشوں سے مطلع کیا۔

قائد اعظم رح نے اس کے جواب میں حسب ذیل اطمینان دہانی فرمائی جس نے ان شبہات کا خاتمہ کر دیا۔

ترجمہ خط قائد اعظم رحمہ اللہ علیہ

خط بنام مہاراجکمار امیر حیدر خاں صاحب آف محمود آباد

نیو دہلی۔ مورخہ یکم اپریل ۱۹۴۰ء

جہاں تک شیعوں کے عقائد اور مذہبی امور کے بجالانے کا تعلق ہے بلاشبہ یہ بات بالکل ابتدائی حیثیت رکھتی ہے اور اگر مسلم لیگ کا ادارہ کسی حیثیت کا حامل ہے تو یہ اس کا اولین فرض ہے کہ وہ اس بات کا بدرجۂ اتم خیال رکھے کہ شیعوں کی کسی طرح کی حق تلفی نہ ہو۔

جہاں تک شیعہ اوقاف کا سوال ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی کو اس بات میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے کہ وہ مکمل طور پر شیعوں کی نگرانی میں رہیں۔ آپ کے اس آخری نکتہ کو میں سمجھنے سے قاصر ہوں "کہ اگر کوئی قانون مسلم حنفی شریعت کی مطابقت میں پاس ہوتا ہے تو فقہ جعفری کے مخصوص اصول بھی زیر غور آنے چاہئیں۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ کسی شخص کو بھی یہ حق پہنچ سکتا ہے کہ وہ فقہ جعفری کے اصولوں میں تبدیلی کرے یا یہ کہ کسی شخص کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے کہ وہ ایسا کرنے کا خواہش مند ہو۔

آپ کا دعا گو

محمد علی جناح

قیام پاکستان کے بعد بیورو کریسی کی غفلت اور پر عصبیت حلقوں کے روّیہ نے

شیعوں کو فکرمند کر دیا۔ ان کو نہ سیاسی حقوق کی فکر تھی نہ وہ ملّت پاکستان کے اندر کوئی تفریق چاہتے تھے۔ ان کو اپنے لئے وہی حقوق درکار تھے۔ جو اور مسلم فرقوں کے لئے از روئے دستور و قانون ملکی تجویز کئے جائیں۔ ان میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ ان کو فقط انہی کی دینی تعلیم دی جائے، ان کے اوقاف ان کے مذہب کے مطابق چلائے جائیں۔ اور ان کے مراسم عزاء میں کوئی مزاحمت نہ ہو۔ حکومت کسی فرقے کی حکومت جیسا رویہ نہ اختیار کرے۔ اور نہ شیعوں سے عصبیت برتی جائے۔

شیعہ مطالبات کی تحریک

قیام پاکستان کے کچھ عرصے بعد ہی بعض شیعہ اہل نظر نے اپنے حقوق کے تحفظ کی آواز بلند کر دی تھی۔ لیکن ہمیں عرصہ دراز تک وہ شدّت پیدا نہ ہوئی جو اس وقت موجود ہے۔ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ اوّل یہ کہ ملک کا دستور برسوں تک زیر تکمیل تھا۔ اور اس وقت یہ توقع بیجا نہ تھی۔ کہ تکمیل و نفاذ دستور کے بعد شیعوں کو اپنے حقوق کی مکمل و مؤثر ضمانت مل جائے گی۔ دوسرے انہیں حکومت اور اکثریتی گروہ سے حُسن ظن تھا۔ جس کی بنا پر بعض شیعہ علماء نے مشترکہ نصاب دینیات تسلیم کر لیا تھا۔ تیسرے ارکان حکومت کا رویہ ابتدا میں اس قدر غیر منصفانہ نہیں تھا۔ جتنا کہ بعد میں ہو گیا۔ چوتھے حکومت میں شیعوں کو بعد کی نسبتاً زیادہ نمائندگی مل جاتی تھی۔ جو آخر میں اس حد تک کم ہو گئی کہ ایک وقت تو وزارتوں اور امارتوں سے شیعوں کا قطعاً صفایا کر دیا گیا۔ پانچویں جن شیعہ جماعتوں نے حقوق کے تحفظ کا بیڑا اٹھایا تھا۔ وہ اس کے حصول کے لئے کوئی ٹھوس پروگرام پیش نہ کر سکیں اور نہ کوئی منظم جدوجہد کر سکیں۔ چنانچہ کراچی میں اجتماع علماء شیعہ کے انعقاد سے قبل شیعہ عوام کو اپنے حقوق و مطالبات کی اہمیت کا احساس تک پیدا

نہ ہوا۔ نام نہاد لیڈران قوم اپنے ذاتی مفاد اور باہمی چپقلش میں مبتلا رہے۔ ملّت شیعہ کئی مذہبی مسائل سے دوچار ہوئی مگر خدمت قومی اور حکومت میں اثر و رسوخ کے دعویدار لیڈران چند رزولیشن پاس کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکے۔ نہ تو وہ حکومت کو متوجہ کر سکے اور نہ اپنے عوام کو۔ عزاداری کے معاملہ میں جو ہماری رگ حیات ہے ناروا پابندیوں میں اضافہ ہوگیا۔ ہمارے اوقاف کو حکومت نے اپنی تحویل میں لے کر ان پر غیر شیعہ افراد کو ناظم مقرر کر دیا۔ "تاریخ و دینیات" کے نام سے قابل اعتراض اور دل آزار باتوں کا درسی کتب میں اضافہ ہوگیا۔ اور جن مقاصد کے تحت نصاب دینیات مشترک کیا گیا تھا اس کے خلاف عمل درآمد شروع ہوگیا۔ ان واقعات نے قوم میں مایوسی کی لہر پیدا کر دی جس سے بے چین ہو کر حضرت خطیب اعظم باوجود اپنی پیرانہ سالی کے اٹھ کھڑے ہوئے اور دیگر علمائے کرام کے مشورہ سے پہلے قوم کے تمام سربرآوردہ علماء اور اہل دانش کو کراچی میں مسائل پر غور و فکر کرنے کے لئے جمع کرنے کا انتظام کیا۔

کل پاکستان اجتماع علماء شیعہ کراچی

پاکستان کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا عظیم الشان مذہبی اجتماع تھا جو ۵، ۶، ۷ جنوری ۱۹۶۵ء کو امام باڑہ شاہ کربلا رضیہ کالونی کراچی کے وسیع ایوان میں منعقد ہوا جس میں قوم کے صحیح نباض، دین حق کے پایہ ناز افاضل اور ممتاز رہنماؤں کے علاوہ مکتب جعفری کے دو سو جلیل القدر علمائے کرام نے شرکت فرمائی۔ تمام مسائل و ضروریات مذہبی پر غور و فکر کرنے کے بعد ایک مجلس عمل علمائے شیعہ کی تشکیل کی گئی۔ جس کے سربراہ باتفاق رائے حضرت خطیب اعظم مولانا سید محمد صاحب قبلہ دہلوی منتخب ہوئے اور طے پایا کہ شیعوں کے مندرجہ ذیل مذہبی مطالبات

باقاعدہ حکومت کو پیش کئے جائیں۔

۱ ـــــ شیعہ طلبا کے لئے مدارس میں جداگانہ نصاب دینیات کا انتظام

۲ ـــــ شیعہ اوقاف کے لئے حکومت کی زیر نگرانی شیعہ بورڈ کا قیام

۳ ـــــ تحفظ عزاداری

۴ ـــــ درسی کتب سے قابل اعتراض و دل آزار مواد کا اخراج

ہر طبقۂ خیال کے شیعہ اہل علم و دانش کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ اور پہلی مرتبہ ہماری قومی زندگی میں مرکزیت کی ایک جھلک نمودار ہوئی۔ سربراہ ملّت حضرت خطیب اعظم نے تحریری طور پر مذکورالصدر مطالبات حکومت کو پیش کئے۔ اس کے علاوہ درسی کتب کا جائزہ لے کر ایک کتابچہ "نصاب دینیات کا سرسری جائزہ" شائع کرایا جو کافی تعداد میں افراد قوم میں تقسیم کرنے کے علاوہ ذمہ دار ارکان حکومت کو بھی روانہ کیا گیا۔ حضرت خطیب اعظم نے اسکولوں اور کالجوں میں رائج تاریخ اسلام کا جائزہ لے کر اس پر ایک "تبصرہ" تحریر فرمایا جس میں شیعوں کے لئے دل آزار و قابل اعتراض روایات کی نشان دہی کے ساتھ مورخین کی تاریخی بدنیتی کو بے نقاب کیا گیا۔ ان کتابچوں کی اشاعت سے حکومت پر ہمارے موقف کی وضاحت ہو گئی۔

تحریک مطالبات کی تفصیلات کے لئے صدہا صفحات درکار ہیں۔ ہر ہر قدم پر یہ ظاہر ہو گیا کہ خطیب اعظم کی بے لوث اور مخلصانہ قیادت ہی کی بدولت شیعوں کے مختلف الخیال حلقوں میں بھی اتحاد قائم ہے۔ اور انہی کے استقلال و جرأت اور شجاعت و تدبر کی بدولت حکومت بھی ان مطالبات کو اہمیت دینے پر مجبور ہوئی ہے۔

ذیل میں اس تحریک کی اہم منازل پر ایک طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے۔

(۱) ۵، ۶، ۷ جنوری ۱۹۶۴ء	کراچی میں شیعہ علماء کنونشن طلب کیا گیا۔ علمائے کرام نے تین مطالبات حکومت کے سامنے پیش کرنا منظور کئے۔
(۲) ۲۳ فروری ۱۹۶۴ء	مطالبات کے سلسلے میں ایک وفد گورنر امیر محمد خاں صاحب سے ملا تھا۔ انہوں نے وعدۂ غور کر کے ٹال دیا۔
(۳) مارچ ۱۹۶۴ء	مطالبات کے سلسلہ میں صدر پاکستان سے ایک گھنٹہ تک گفتگو رہی۔ قابل اطمینان وعدہ کیا جو پورا نہ کیا گیا۔
(۴) ۱۴ مئی ۱۹۶۴ء	صدر مملکت جناب محمد ایوب خاں صاحب سے کراچی میں ملاقات کی۔ مارچ ۱۹۶۴ء کا وعدہ یاد دلایا۔ انہوں نے سیکرٹری تعلیمات سے ملنے کے لئے کہا۔
(۵) ۱۳ اگست ۶۴ء	سیکرٹری تعلیمات سے بصورت وفد راولپنڈی میں ملاقات کی جب وہاں کی گفتگو سود مند نہ ہوئی تو پنڈی کنونشن طلب کیا گیا
(۶) ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ اگست ۶۴ء	راولپنڈی میں عظیم الشان کنونشن منعقد ہوا تیس ہزار مومنین نے شرکت کی۔ پاس کردہ ریزولیوشن حکومت کو بھیجے گئے۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔
(۷) ۲۵ اکتوبر ۶۴ء	آل پاکستان یوم احتجاج منایا گیا۔ حکومت کو ہر جگہ سے تار اور خطوط روانہ کئے گئے۔ لیکن حکومت کی خاموشی بدستور رہی۔
(۸) ۳۰ نومبر ۶۴ء	تمام پاکستان کے علماء۔ روساء اور سرداران قوم کا وفد جو پچاس افراد پر مشتمل تھا لاہور میں صاحب صدر سے ملا۔ صدر صاحب نے ایک کمیٹی بنانے کا اعلان کیا۔
(۹) جنوری ۱۹۶۵ء	حضرت خطیبِ اعظم نے چار افراد پر مشتمل کمیٹی کا اعلان کیا۔ گورنر صاحب نے محض اپنے ایک دوست کا نام شامل نہ

ہونیکی وجہ سے باوجود یاددہانیوں کے ایک سال تک سرکاری کمیٹی کا کوئی اجلاس نہ ہونے دیا۔ بالآخر

(۱۰) ۲۷-۲۸ اگست سنہ ۶۶ء ملتان کنونشن منعقد کیا گیا۔ ملک کے گوشے گوشے سے ہزاروں نمائندگان شریک ہوئے۔ حکومت سے پرزور الفاظ میں جلد از جلد مطالبات کی منظوری کی استدعا کی گئی۔ افسوس کہ حکومت نے کوئی توجہ نہ دی۔

(۱۱) سنہ ۶۵ء۔ سنہ ۶۶ء تمام پاکستان میں شیعہ مطالبات کمیٹیوں کی تشکیل کی گئی۔ ہر کمیٹی کے احتجاج کے باوجود حکومت نے کوئی توجہ نہ دی۔

(۱۲) ۶ نومبر سنہ ۶۶ء جھنگ میں کونسل کا اجلاس طلب کیا گیا۔ تمام پاکستان کے نمائندگان نے شرکت کی۔ حکومت کو خطوط اور تار کے ذریعہ پھر توجہ دلانے کی کوشش کی۔ مگر سب کچھ سعی کرنے کے باوجود حکومت خاموش رہی۔

(۱۳) ۱۱-۱۲ فروری سنہ ۱۹۶۷ء ورکرز۔ ممبران کونسل اور مجلس عاملہ کا ایک اجلاس عام کراچی میں منعقد ہوا۔ حکومت سے منظوری مطالبات کی استدعا کی گئی۔

(۱۴) ۳-۴۔ جون سنہ ۶۷ء گورنر موسیٰ صاحب کے عہد میں ایک عظیم الشان جلسہ لاہور میں کیا گیا۔ آغاز جلسہ سے قبل ایک وفد گورنر صاحب سے ملا۔ موصوف نے کہا کہ اجلاس ملتوی کر دیجئے میں مطالبات کی منظوری کی کوشش کروں گا۔ اجلاس ملتوی کئے گئے۔ لیکن گورنر صاحب کا وعدہ صرف وعدہ ہی تک محدود رہا۔ لہٰذا

(۱۵) ۱۴-۱۵۔ جنوری سنہ ۶۸ء کو ہزارہا کی تعداد میں تار اور خطوط اور ریزولیوشن بذریعہ رجسٹری روانہ کئے۔ مگر بے سود۔ بالآخر

(۱۶) ۱۰- ۱۱- فروری ۱۹۶۸ء

حیدر آباد کنونشن طلب کیا گیا۔ گورنر موسیٰ صاحب نے اس کنونشن کی شدید مخالفت کی۔ علماء کرام اور روسار عظام و سردارانِ قوم کے حیدر آباد میں داخلے بند کرائے۔ قوم اس موقع پر ہر قسم کی قربانی کے لئے آمادہ تھی۔ لیکن وزیر داخلہ کے اس وعدہ پر کہ میں مطالبات کو جلد از جلد طے کرانے کی کوشش کروں گا۔ حیدر آباد کنونشن کو ملتوی کر دیا گیا۔ مگر وزیر داخلہ صاحب کا وعدہ بھی صرف وعدہ ہی تک محدود رہا۔

(۱۷) ۲۵ مارچ ۱۹۶۸ء

لاہور میں ایک میٹنگ بلائی گئی۔ وفد وزیر داخلہ سے ملا۔ انہوں نے بتایا کہ مطالبات حکومت کے زیر غور ہیں۔

(۱۸) ۶- ۷- جولائی ۶۸ء

حیدر آباد میں مجلس مشاورت طلب کی گئی۔ حکومت کی سرد مہری کے پیش نظر حصول مطالبات کے طریقوں پر غور و خوض کیا گیا۔

(۱۹) ۲- ۳- نومبر ۶۸ء

بمقام راولپنڈی جلسۂ عام بُلایا گیا۔ اطراف ملک سے دس ہزار مومنین ہر قسم کی قربانی کے لئے آمادہ ہو کر پہنچے۔ اور سینکڑوں جگہ سے اطلاعات آئیں کہ ہم کفن بردوش تیار بیٹھے ہیں۔ اطلاع دیجئے کہ پنڈی پہنچیں۔ پہلا جتھا ۷۲ آدمیوں پر مشتمل ۲ر نومبر ۱۱ بجے دن نکلنے والا تھا۔ مگر حکومت نے صبح سات بجے مطالبات کی منظوری کا اعلان کر دیا۔

اس طرح ۵ر جنوری ۱۹۶۴ء کو خطیبِ اعظم نے جو تحریک شروع کی تھی۔ ۲ر نومبر ۶۸ء

کو پانچ سال کی شب و روز کی جدوجہد کے بعد وہ کامیابی سے ہم کنار ہو گئی۔ اس سلسلہ میں حکومت نے جو اعلان کیا وہ حسب ذیل تھا :۔

راولپنڈی یکم نومبر (اے پی پی + پی پی آئی) صوبائی حکومت نے شیعہ و سنی علماء کے مشترکہ بورڈ کی سفارشات کے مطابق اسلامیات کے نصاب پر نظرثانی کا فیصلہ کیا ہے۔ آج سرکاری طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ حکومت مغربی پاکستان نے شیعہ اور سُنّی اوقاف کے انتظامات کے لئے الگ الگ شعبوں کے قیام کے بارے میں بھی بورڈ کی سفارشات منظور کر لی ہیں پریس نوٹ میں بتایا گیا ہے کہ مرکزی حکومت کی منظوری کے بعد صوبائی حکومت نے شیعہ و سُنّی علماء کے اس مشترکہ بورڈ کی سفارشات کے مطابق نصاب پر نظرثانی کا فیصلہ کیا ہے جو کچھ عرصہ قبل حکومت نے مقرر کیا تھا یہ بھی فیصلہ کیا گیا ہے کہ اگر کوئی طالب علم اسلامیات کا مضمون لینا نہیں چاہتا تو اسے اس کا اختیار ہوگا۔

جہاں تک عزاداری کی مکمل آزادی کا تعلق ہے حکومت یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ اس قسم کی ہر درخواست پر متعلقہ علاقہ میں امن و قانون کی صورت حال کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائیگا۔ حکومت نے مشترکہ بورڈ کی یہ سفارش بھی منظور کر لی ہے کہ اوقاف بورڈ کے تحت شیعہ اور سُنّی اوقاف کے انتظامات کے لئے الگ الگ شعبہ ہو۔

(روزنامہ حریت ۳ر نومبر ۱۹۶۸ء)

اس سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے کہ حکومت نے تینوں مطالبات منظور کر لئے۔ مگر باوجود وعدوں کے حکام نے نفاذ میں دیر لگائی۔ جس کی بنا پر اہل لاہور نے ۲ر جنوری کو بعد نماز جمعہ ایک پُرجوش جلوس نکالا بمشکل اسے روکا گیا۔

پارہ چنار۔ بنگش۔ آزاد قبائل۔ پنجاب اور مشرقی پاکستان میں جلسے ہوئے مگر حکام کی سرد مہری بدستور برقرار رہی۔

۱۴ مارچ ۱۹۶۹ء

پورے ملک میں یوم احتجاج منایا گیا۔ جلسے ہوئے، جلوس نکالے گئے۔ ابھی احتجاج کو چند روز ہی گذرے تھے کہ صدر ایوب کی حکومت ختم ہوگئی۔ مارشل لاء نافذ ہوگیا۔ فوج نے اقتدار سنبھال لیا۔

جب صدر ایوب کی حکومت ختم ہوگئی اور صدر یحییٰ نے اقتدار سنبھالا تو چند روز بعد خطیبِ اعظم نے ان کو توجہ دلائی کہ حکومت شیعوں کے مطالبات کو بڑی جدوجہد اور مباحثات کے بعد شیعہ سُنّی علماء کی مشترکہ سفارشات کی روشنی میں منظور کر چکی ہے مگر متعلقہ حکام عمل آوری میں تساہل برت رہے ہیں۔ اس پر صدر یحییٰ نے خطیب اعظم کو ملاقات کا وقت دیا اور خطیب اعظم نے تفصیل سے ان کے سامنے مطالبات کا پس منظر اور ناانصافیوں کی وضاحت کی اور صدر یحییٰ نے وعدہ کیا کہ وہ اس سلسلہ میں پورے انصاف سے کام لیں گے۔

اپنی وفات سے چند دن قبل تک خطیب اعظم حکومت کو یاد دہانی کرتے رہے اور نصاب دینیات کے سلسلے میں موزوں کتابوں کے انتخاب کے مراحل میں مشورہ دیتے رہے۔ یعنی مرحوم نے اس تحریک کو ایسی منزل پر پہنچا کر ہم سے جدائی اختیار کی جہاں سے اس کو آگے بڑھانا دشوار نہیں۔ فقط استقلال اور صفوں میں اتحاد کی ضرورت ہے۔

خطیب اعظم نے اس تحریک کے سلسلے میں جو اہم کارنامے انجام دیئے ان میں قوم کو منظم کرنے کے علاوہ ارباب اقتدار، علمائے اہل سنت، صحافت، اور عوام پاکستان کو ان مطالبات کی معقولیت کا قائل کرنا بھی تھا۔ چنانچہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قبلہ کی

حسب ذیل تحریر اس کارنامہ کا اہم ثبوت ہے۔

بِسمِ اللہ الرَّحمٰنُ الرَّحیمُ

سُنّی و شیعہ تعلیم دینیات کے معاملہ میں میری قدیم سے یہ رائے ہے کہ شیعی حدیث و فقہ چونکہ سُنّی حدیث و فقہ سے بہت زیادہ مختلف ہے۔ ان کی تعلیم میں اگر صرف اس قدر مشترک پر اکتفا کیا جائے جو دونوں مذہبوں میں متفق علیہ ہیں تو دینی ضروریات کے بہت بڑے حصہ سے دونوں جماعتوں کے طلبار محروم ہو جائیں گے اور عملی طور پر وہ تعلیم بالکل ناکافی ہوگی اور اگر اختلافی مسائل کو بہ صورت اختلاف پڑھایا جائے تو طلبار کے ذہن کو مشوش کرنا اور اختلاف کی بنیاد ڈالنا ہے۔

اس لئے صحیح صورت میرے نزدیک یہی ہے کہ شیعہ حدیث و فقہ باقاعدہ مدون بھی ہیں اس کو علیٰحدہ پڑھایا جائے اور امتحان کے پرچے بھی الگ الگ ہوں۔ میں نے کراچی یونیورسٹی میں نصاب کمیٹی کے ممبر ہونے کی حیثیت سے اس رائے کا اظہار بھی بار بار کیا اور اب کراچی یونیورسٹی میں اس کے مطابق دونوں نصاب علیٰحدہ کر بھی دیئے گئے ہیں اور تجربہ سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ یہ طریقہ اتحاد بین المسلمین کے لئے مضر نہیں بلکہ مفید ہے اور اتنی علیٰحدگی سے یونیورسٹی پر کسی مالی بار کا بھی اضافہ نہیں ہوا۔ جس کی وجہ سے اس طریق کے جاری کرنے میں کوئی عملی دشواری ہو۔

واللہ سبحانہٗ تعالیٰ۔ بندہ محمد شفیع عفی عنہ، (مہردارالعلوم)

تحریک مطالبات کے موجودہ قائدین اور قوم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ خطیب اعظم کی اس عظیم جدوجہد کے ثمرات کی حفاظت کریں اور مطالبات کی منظوری پر عملدرآمد کے اہم مرحلے میں بھی اسی استقامت و تنظیم کو برقرار رکھیں جو خطیب اعظم نے ان میں پیدا کر دی تھی۔

از جناب عرفان حیدر عرفان عابدی

خطیبِ اعظم کے حضور

اے ناخدائے کشتیِ ملّت سلام لے
تا حشر پوری قوم کی عزت سلام لے

تاروں کا ماہ تاب خطابت سلام لے
منبر کی زیب بزم کی زینت سلام لے

اے غمزدہ دلوں کے سہارے سلام لے
اے قوم کے نصیب کے تارے سلام لے

تسلیمِ کاروانِ محبت کے پاسباں
تسلیم اے خلوص کی کشتی کے بادباں

تجھ پر سلام طرۂ دستارِ اہلِ علم
فیضِ علی سے سید و سردارِ اہلِ علم

تجھ پر سلام شوقِ خلوص و وفا کے پھول
گلشن کی آبرو چمنِ فاطمہ کے پھول

جب تک رہے گی ملّتِ بیضا جہان میں
قائد۔ تمہارا نام رہے گا جہان میں

عرفان بس اب خلوص کے موتی پرو چکے
بس روک لو قلم کو بہت دیر رو چکے

(طویل نظم سے اقتباس)

جناب مولانا محمد مصطفیٰ جوہر مدظلہ العالی

عظیم آباد کی یادگار مجالس

میں جب سنہ ۱۹۱۳ء میں بغرض تکمیل علوم دینیہ لکھنؤ پہنچا تو مرحوم خطیب اعظم مولانا السید محمد صاحب دہلوی ناظمیہ سے ترک تحصیل علم کرکے بایمائے جناب حافظ مولانا السید مقبول احمد صاحب مرحوم اعلیٰ اللہ مقامہٗ رام پور گئے اور مدرسہ عالیہ میں داخل ہوئے اور وہاں سے دو تین سال کے عرصہ میں مولوی فاضل کی سند حاصل کرکے دہلی کے گورنمنٹ کالج میں مقرر ہو گئے۔ میری اور موصوف کی ملاقات سنہ ۱۹۳۸ء میں عظیم آباد میں ہوئی۔ وہاں کے ایک بڑے وقف واقع گلزار باغ میں واقفہ امام باندی بیگم مرحومہ کے دیہ کے سلسلہ تین مجلسیں ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸ صفر کو ہوتی تھیں جن میں ممتاز ذاکرین پڑھ چکے۔ متولی دوم نواب سید محمد صاحب مرحوم نے مجھ سے پوچھا اب کس کو بلایا جائے۔ میں نے خطیب اعظم مرحوم کا تذکرہ کیا چنانچہ عظیم آباد پہلی بار وارد ہوئے۔ چار ضلعوں شاہ آباد آگرہ، مونگیر۔ مظفر پور اور ضلع سارن کے مومنین کو دعوت دی گئی۔ ایک سیلاب امڈ کر آگیا۔ جن میں بڑی بڑی شخصیتیں خان بہادر فوق بلگرامی مرحوم، ڈپٹی سید ظہیر حیدر بلگرامی مرحوم، خان بہادر ڈاکٹر سید اعجاز حسین صاحب جعفری متولی وقف ہوگلی، خان بہادر بیرسٹر محمد جعفر صاحب مرحوم اور علماء میں مولانا سید علی حیدر صاحب مرحوم مدیر اصلاح۔ مولانا سید راحت حسین صاحب مرحوم بھیکپوری کے تام یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ تین دن تک گلزار باغ چمنستان ایمان و عرفان بنا رہا خطیب اعظم مرحوم کی شیوا بیانی، دلّی کی اردوے معلّیٰ، فضائل آل محمدؐ کے نکات عالیہ، اور دفاعی مضامین میں ظرافت کی چاشنی ان باتوں نے گھل مل کر ایک عجیب کیفیت

سرور پیدا کر دی تھی جو برابر ہر سال اسی پیمانہ پر رہی ، دو گھنٹہ کی تقریر اور معلوم ہوتا تھا کہ صرف آدھ یا ایک گھنٹہ پڑھے۔ سر سلطان احمد مرحوم ایسی ہستیوں کو جب شرکت کا موقع ملتا تو زیرِ منبر ہی تشریف فرما ہوتے۔

وہاں جو مرحوم سے میری ملاقات ہوئی تو ہر سال اخلاص میں اضافہ ہوتا گیا۔ موصوف عظیم آباد جاتے رہے اور چونکہ میں نے ۱۹۴۰ء وہاں سے ترک ملازمت کر لیا تھا بہ چند سال ملاقات نہ ہو سکی ، میں جب کانپور پہونچا تو پانچ برس کے قیام قیام میں سید محمد رضا عرف رضا بابو مرحوم کے دولت کدہ پر دیدار نصیب ہوا۔ میں وہاں سے ۱۹۳۷ء کے اکتوبر میں حیدر آباد دکن چلا گیا۔ وہاں سے ۱۹۴۹ء میں کراچی آیا۔ دو سال کے بعد حضرت خطیب اعظم آ گئے۔ یہ بات کبھی بھلائی نہیں جا سکتی کہ چند سال کی مفارقت کے باوجود بھی اخلاص میں کوئی فرق نہ پایا۔ ایسی شخصیتیں اپنی جگہ ہمیشہ کے لئے خالی کر جاتی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ غفر اللہ وحشرہ مع موالیہ المعصومین ؑ۔

آہ! مولانا سیّد محمد دہلوی

۲۰ر اگست بروز جمعہ شیعان پاکستان کا بے مثل قائد، پوری قوم کو روتا تڑپتا چھوڑ کر راہیِ ملکِ بقا ہوا۔ آج ملک کے گوشے گوشے میں مولانا مرحوم کے لئے تعزیتی اجلاس اور مجالسِ فاتحہ خوانی منعقد ہو رہی ہیں۔ مولانا سیّد محمد دہلوی سے پہلے شیعیانِ پاکستان کو ایسا باہمت، مخلص اور دردِ ملّی سے سرشار لیڈر کب میسر آیا تھا؟ درحقیقت مولانا کے انتقال سے ملّت جعفریہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ اس عظیم نقصان کا احساس جس قدر ہو کم ہے۔

("پیام عمل" لاہور)

از جناب سیّد قتیر عباس زیدی (ایم اے)

چراغِ اخلاق و عمل

خطیبِ اعظم نور اللہ مرقدہٗ کی موت اسلامی دنیا کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہے اس حادثہ جانکاہ پر جتنا ملال بھی ہو وہ کم ہے۔ مرحوم کے علم و فضل و کمالِ خطابت پر ان کے ہمعصر علماء و فضلاء و خطباء کو حق ہے کہ وہ سیر حاصل تبصرہ کریں۔ مرحوم بحرِ علم تھے۔ اب بھی عالموں سے دنیا خالی نہیں۔ وہ یقیناً خطیبِ اعظم تھے۔ آسمانِ خطابت کے بدر منیر تھے بہت سے درخشندہ ستارے اور فلکِ خطابت کے چاند اب بھی ضوفشاں ہیں۔ خطیب ممبر سلونی کا یہ فیض حشر تک جاری رہے گا۔ مرحوم کی ساری زندگی نشر و اشاعت علوم اہلبیت علیہ السلام میں گزری۔ یہ سعادت اور بھی خوش نصیبوں کو ملی اور ملتی رہے گی۔ ہاں جو چیز جنت آرامگاہ حضرت سیّد محمد دہلوی اعلیٰ مقامہٗ کو باقی اہل علم و فضل سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ ان کا ذاتی اخلاق اور حسن کردار تھا۔ ان کا علم، ان کی خطابت، ان کی شہرت اور انتہائی بلندیوں کو چھوتی ہوئی فضیلت اُن سے انسانیت کے اس جوہر کو نہ چھین سکے جس کا نام حسنِ اخلاق ہے۔ وہ کسر نفسی کا مجسّمہ تھے۔ ہر کس و ناکس کے لئے ان کے برتاؤ میں یکسانیت تھی۔ ان کی بارگاہ میں امیر و فقیر کسی امتیازی سلوک کے مستحق نہ تھے۔ دروازوں پر پہرے نہ لگے۔ ٹیلیفون پر وقت مقرر کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ وہ اپنی ذات میں خود

ایک انجمن تھے ایک فعال ادارہ تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسوۂ حسنہ کا نمونہ تھے اس گئے گزرے دور میں یہی ان کی عظمت کا راز تھا اور یہی اسلامی دنیا کا ناقابل تلافی نقصان ہے جو ان کی موت سے واقع ہوا۔ عام مسلمانوں کا یہی وہ غم ہے جس کا مداوا نہیں۔ وہ عظمتوں کا چراغ اخلاق و عمل کی شاہراہ جگمگا کر خود خاموش ہو گیا۔ کاش دوسرے علماء و خطباء مولانا مرحوم سے دلچسپی اور عقیدت کے اس راز کو سمجھیں اور اپنے کو اُن آئمہ معصومین کے اخلاق و کردار کا نمونہ بنانے کی کوشش کریں۔ جن کا ذکر نہایت فصاحت و اور بلاغت کے ساتھ برسرِ ممبر ہوتا ہے۔ ممدوح کی یہی خصوصیت تھی جس نے منتشر قوم کو مطالبات کمیٹی کے پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔

اللہ تعالیٰ انھیں جوار آئمہ معصومین میں جگہ مرحمت فرمائے۔

(آمین)

(طویل مقالے سے اقتباس)

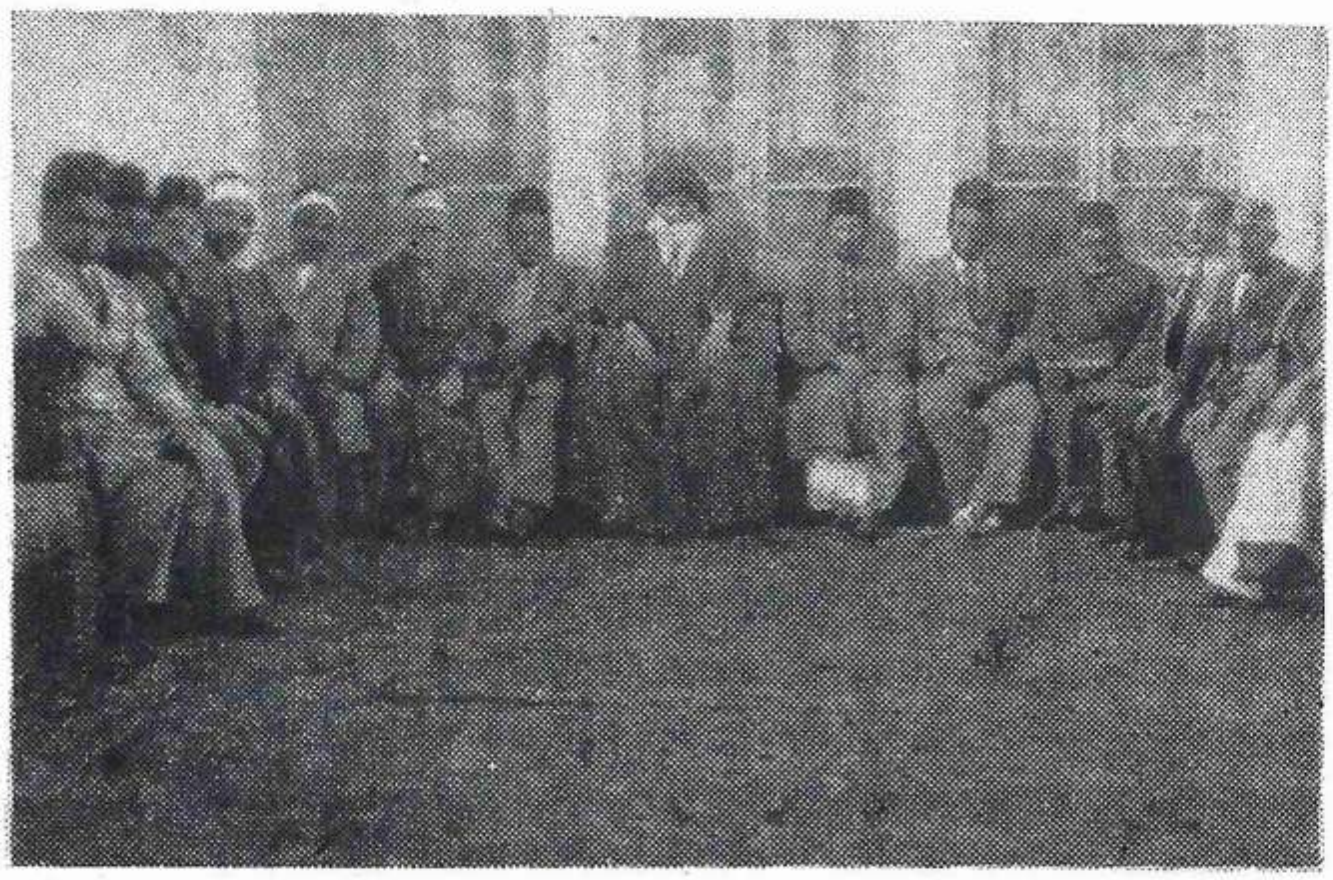

دمشق میں علامہ محسن الامین مصنف اعیان الشیعہ کے ساتھ

جناب محمد حسین خان زبیری ایم اے بی ٹی (علیگ)

میرے ساتھی

میں نومبر ۱۹۲۲ء میں اینگلو عربک اسکول اجمیری گیٹ دہلی سے بہ سلسلہ ملازمت منسلک ہوا مولوی سیّد محمد صاحب سے پہلی ملاقات ہوئی اور بیس سال تک وہ میرے ساتھی رہے وہ وہاں پہلے سے ملازم تھے۔

مولانا نہایت خوش اخلاق۔ بذلہ سنج ساتھی تھے۔ مزاح ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، وہ ہر ایک سے نہایت بے تکلفی اور محبت سے ملتے تھے۔ مولوی فضل الدین (ہیڈ ماسٹر) کی نرم مزاجی کے اکثر اساتذہ شاکی تھے اور ان پر اعتراض کیا کرتے تھے مگر مولوی صاحب کو کبھی ان کی تنقیص کرتے نہیں دیکھا۔ ان کا یقین تھا کہ فضل الدین صاحب کی پختہ عادت کیسے بدل سکتی ہے۔ اسکول میں مولوی محمد علی صاحب اور مولوی محمد مہدی صاحب دو اساتذہ اور بھی تھے یہ بھی مذہب امامیہ کے پیرو تھے۔ مہدی صاحب کو اکثر دورانِ اسکول کہیں میت ہو جانے پر جانا پڑتا تھا اور چھٹی لینی پڑتی تھی۔ ایک بار میں نے مولوی سیّد محمد صاحب سے عرض کیا کہ مولوی مہدی صاحب کی بجائے آپ کبھی چلے جایا کریں۔ خوب ہنسے بولے بڑے بھائی (وہ مجھے پیار میں بڑے بھائی کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے)۔ ہم نے تو مُردوں کو مولوی مہدی کے سپرد کر دیا ہے اور زندوں کو مولوی محمد علی کو سونپ دیا ہے۔ شادی بیاہ

محمد علی کراتے ہیں اور آخری منزل پر مہدی صاحب پہنچاتے ہیں۔ مولوی مہدی نہایت خاموش طبع واقع ہوتے تھے۔ ادھر مولوی محمد علی صاحب بہت بولتے تھے اور زور زور سے بولتے تھے۔ مولوی سیّد محمد صاحب بین بین تھے ان کی باتوں میں رس تھا جب ترنگ میں آتے اور عربی اشعار سناتے اور ان میں لطیف استعارات اور تشبیہات ہوتی تھیں، جن کو وہ بتایا کرتے تھے۔ سیر و تفریح کی انجمن تھی جس کا نام انجمن احباب تھا اور جس کا میں معتمد تھا۔ مولوی صاحب اس کے باقاعدہ ممبر تو نہ تھے لیکن جب ہم انھیں مدعو کرتے تو ضرور شریک ہوتے تھے۔ ایک بار روشن آرا باغ میں انجمن نے آموں کی پارٹی کی مولانا بھی تشریف لائے۔ میں نے برف خانے والوں سے برف کی ایک سِل کا سودا کر لیا اور یہ طے کر لیا کہ قلمی آم اس میں جما دیئے جائیں۔ جب وہ برف کی سِل برف خانے سے آئی اور اس میں آم جھلک رہے تھے تو اس جدّت سے مولانا کو جتنی خوشی ہوتی وہ آج تک یاد ہے۔ انھوں نے مجھے گلے سے لگا کر دبوچ لیا اور باغ میں لئے لئے پھرے۔

طلباء تو ان کے گرویدہ رہتے تھے کسی کا کوئی کام ہو خواہ طالب علم خواہ کوئی استاد وہ ہر قسم کی استعانت اور مدد کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ ان کی علمیت خطابت اور معلومات اور طریقہ تدریس بڑا دلکش اور انوکھا تھا۔ وہ نہ صرف محرم کی مجالس ہی میں تقریریں کرتے تھے بلکہ سنّی حضرات بھی انھیں اپنی سنّی مجالس میلاد میں وعظ کے لئے مدعو کرتے تھے اور وہاں بھی ان کی ایسی ہی پذیرائی ہوتی تھی جیسی مجالس محرم میں۔

اسکول میں محرم کی بارہ روز کی تعطیل ہوتی تھی۔ مولوی صاحب تیار رہتے تھے اور ادھر چھٹی کا اعلان ہوا اور وہ بمبئی کے لئے روانہ ہوتے۔ ایک بار وہ بمبئی سے لکھنؤ ہوتے ہوئے دہلی جا رہے تھے۔ میں بھی اس گاڑی سے میرٹھ جا رہا تھا لیکن جب میں سوار ہوا۔ مولانا نظر نہیں آئے لیکن خورجہ کے اسٹیشن پر میں گاڑی بدلنے کے لئے اترا

تو ایک دم ایک آواز کان میں آئی "بڑے بھائی بڑے بھائی" اِدھر اُدھر دیکھا تو ریل کی کھڑکی سے سر نکالے پکار رہے ہیں۔ میں قریب آیا تو گلے لگایا اور میرا ناشتہ دان میرے ہاتھ میں سے لے کر اپنے ناشتہ دان سے لذیذ اور مرغن بریانی اور زردہ اور کچھ مٹھائی میرے ناشتہ دان میں بھر دی بولے پہلے سے نہ ملے لطف رہتا۔

دہلی کے اسکول کے لئے پنجم تا ہشتم میرا مرتب کردہ اردو کورس منظور ہو گیا تھا میں نے سوچا کہ ہائی اسکول کے لئے بھی ایک کورس کی کتاب مرتب کی جائے۔ چنانچہ کتاب تیار ہو گئی اور دہلی کے ایک مسلمان پبلشر نے ہمت کر کے اسے چھاپ دیا۔

اس وقت دہلی بورڈ میں جتنی کتابیں بھی منظور تھیں ان کے مصنف اور ناشر سب غیر مسلم تھے۔ ہندو بکثرت تھے۔ حد یہ ہے کہ اردو کورس بھی ہندو ہی کا مرتبہ اور ہندو ہی کا چھاپا ہوا تھا۔ میری کتاب کو منظور کرانا مولوی صاحب ہی کا کام تھا میں نے کتاب بھیجدی لیکن اردو فارسی سب کمیٹی نے اسے نامنظور کر دیا۔ ہمارے مولوی سید محمد صاحب بھی سب کمیٹی کے ممبر تھے۔ میں نے شکایت کی کہ آپ کے ہوتے ہوئے کتاب نامنظور ہو گئی۔ بولے میں تو اس کمیٹی میں جاتا ہی نہیں بے ایمانیاں ہوتی ہیں دو ممبر اس کے بڑے مقتدر پروفیسر مشن کالج سے تعلق رکھتے تھے۔ جب میں نے کہا مسلمان کی تو کوئی کتاب ہی نہیں ہے کہنے لگے سب کے منہ کو خون لگا ہوا ہے مسلمان بھی کھاتے ہیں۔ میں نے کہا ہم بھی کھلا دیں گے کہنے لگے تم سے کیسے کھائیں۔ غرض سالِ آئندہ جب دوبارہ کتاب پیش کی گئی تو میں نے مولوی صاحب کو کمیٹی میں جانے پر آمادہ کر لیا کہنے لگے ضرور جاؤں گا اور خوب لڑوں گا۔ کیا سچ مچ کسی مسلمان کی کوئی کتاب ہی نہیں ہے، میں نے کہا سچ مچ۔ غرض سب کمیٹی میں مولوی صاحب تشریف لے گئے اور کتاب کو منظور کرا کر اٹھے۔ دوسرے دن جب اسکول آئے تو میرے کندھے پر ہاتھ مار کر بولے بڑے بھائی کام بن گیا۔ مگر وہ تو کہتے ہیں کہ ہم ایک سال کے لئے سفارش کرتے ہیں۔ میں نے

کہا ہونے تو دو۔ پھر تو وہ کتاب پانچ سال چلی ہر بار وہ لوگ اسے خارج کر دیتے ہیں بورڈ میں اپیل کر کے ان کے فیصلے کو مسترد کرا دیتا۔

دہلی میں ایک حضرت والا سیاہ عبا میں ملبوس سر پر سیاہ رومال باندھے پھرا کرتے تھے وہ پرانی کتابوں کا کاروبار کرتے تھے اور چاول پر سورۃ اخلاص لکھا کرتے تھے اور جب فہرست خطابات شائع ہوتی تو خطاب یافتگان کے نام اور خطاب چاول پر لکھ کر رقمیں وصول کیا کرتے تھے۔ ایک بار انھوں نے نبوت کا بھی دعویٰ کر ڈالا تھا اور مقدمہ چلا تو توبہ نامہ لکھ کر آ گئے۔ ایک روز وہ اسکول میں آ گئے اور طلبا نے انھیں گھیر لیا۔ اب وہ لگے لڑکوں کو بہکانے۔ مولوی سید محمد صاحب اوپر کی منزل میں کسی کلاس میں تھے ان کو اطلاع ہو گئی۔ تو فوراً اوپر مہتابی میں کھڑے ہو کر کہنے لگے۔ ارے او لڑکو یہ شیطان تمہیں بہکا رہا ہے۔ ذرا اوپر والے کی بھی تو سنو۔ ان حضرت نے جب مولوی صاحب کو دیکھا تو فوراً نو دو گیارہ ہو گئے اور لڑکے مولانا کے اس فقرے کا لطف اٹھاتے ہوتے اِدھر اُدھر ہو گئے۔

ٹورنامنٹ کے دوران ہندو اسکولوں سے مقابلے ہوتے تھے۔ مولانا اپنے شاگردوں کی وہاں بھی ہمت افزائی کرتے تھے اور اچھے کھلاڑیوں کو اپنی جیب سے انعام بھی دیا کرتے تھے۔ ایک بار تجمل مرحوم سے کہا "تجو بٹیا چھکا لگاؤ تو پانچ روپے دوں گا۔ تجمل نے تھوڑی ہی دیر میں ایسا ہٹ لگایا کہ چھکا بن گیا۔ مولوی صاحب نے فوری پانچ روپے نکال کر اسے دیئے۔ ہاکی میچ عموماً موری گیٹ کے باہر ہوتے تھے۔ ان دنوں میں مولوی صاحب کا دولت کدہ اساتذہ اور کھلاڑیوں کا مرکز بن جاتا تھا اور خوب خوب خاطریں ہوتی تھیں

مولانا کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ نئی نئی جدید سائنسی دریافتوں کا بھی پتہ رہتا تھا اور اس کا پتہ اس وقت چلتا تھا جب وہ اپنی تقاریر میں ایسی جدید دریافتوں کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ ان کا کتب خانہ بھی بڑا وسیع تھا جو انھوں نے وقف کر دیا۔ مجھے تو یہی حیرت

تھی کہ وہ اس قدر بڑا ذخیرہ یہاں تک کیسے لے آئے۔

جب عربک کالج قائم ہوا تو داکر صاحب پرنسپل نے مولانا کو کالج میں لے لیا بعض حضرات معترض بھی تھے کہ کوئی عربی کا ایم اے پاس ہوتا لیکن اوّل تو مولانا کی علمیت سے داکر واقف تھے۔ دوسرے ان کا اصول یہ تھا کہ جب اپنے پاس آدمی کسی مضمون کا موجود ہے تو اسی کو آگے بڑھانا چاہیئے۔ باہر سے نیا آدمی لینے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ جب مولانا خدمت سے سبکدوش ہوئے تو مولوی عبدالخالق صاحب کو اسکول سے ترقی دے کر کالج میں لے لیا۔

کراچی کے گورنمنٹ اسکول میں طلبا نے جلسہ سیرت النبیؐ کا اہتمام کیا۔ جلسہ سے ایک دن قبل لڑکے میرے پاس آئے کہ کل کے لئے مولوی تو کوئی خالی ہی نہیں۔ میں نے کہا تم خود اپنی تقریریں کر لینا۔ بولے نہیں۔ مولوی صاحب کا ہونا ضروری ہے۔ میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اپنی مشکل کا اظہار کیا۔ کہنے لگے ضرور چلوں گا۔ وقت بتا دو۔ لے جانا تیار رہوں گا، چنانچہ بروقت لڑکے گاڑی لائے اور مولانا کو لے گئے۔ اسکول کے بچوں کی سمجھ کے مطابق نہایت دلپذیر تقریر کی اور پھر یہ کہا کہ مجھے تم سب میں بیٹھ کر اپنا پرانا عربک اسکول یاد آگیا جہاں میں نے اور تمہارے ماسٹر صاحب نے بیس بائیس برس ساتھ کام کیا ہے

سال بھر کا واقعہ ہے کہ ہمارے دہلی کے ایک ساتھی میرے پاس آئے۔ انکا لڑکا حبیب بنک میں ملازم ہے اس کے متعلق کچھ سفارش کا کام تھا کسی نے ان سے کہا تھا کہ مولوی سیّد محمد سے لکھوا دو تو کام بن جائے گا۔ میں انھیں ساتھ لے کر گیا۔ بہت مضمحل تھے اور ضعیف ہو گئے تھے کہنے لگے لکھ دوں گا اور تم انھیں لائے تو کیسے ٹال سکتا ہوں۔ غرض زوردار سفارشی خط لکھ دیا۔

کراچی میں دہلی کالج و اسکول کے قیام سے بے حد خوش تھے اس کے جلسوں میں شرکت فرمایا کرتے تھے اور اس کے وہ جلسے جہاں اس کی اساس کے منصوبے بنے۔ مولوی صاحب کی موجودگی سے پر رونق ہوا کرتے تھے۔ مولوی سید محمد صاحب اعلیٰ درجہ کے استاد، اعلیٰ درجہ کے عالم اور اعلیٰ درجہ کے مقرر تھے۔ وہ محبت بھرے دوست تھے اور نہایت پرخلوص انسان تھے۔

از جناب محشرؔ لکھنوی

قائدِ ملّت

مذہب و ملّت کا مخلص رہنما جاتا رہا

علم کے دامن سے لعلِ بے بہا جاتا رہا
سو گئے سیّد محمّد موت کی آغوش میں
سچ اگر پوچھو تو جینے کا مزا جاتا رہا
جرأتِ تقریر سے بیباکی تحریر سے
جس نے کی تبلیغ حق وہ حق نما جاتا رہا
صرف ذکرِ حق رہا جس کا ہمیشہ سے شعار
وہ محبِّ اہلبیتِ مصطفےٰ جاتا رہا
کیا بھلا ساحل پہ پہنچے گی وہ کشتی خیر سے
آہ جس کشتی کا محشرؔ ناخدا جاتا رہا

از جناب روشن علی بھائی (منڈرہ والے)

والدِ مرحوم کے دوست

یہ آج سے تقریباً ۳۵ سال قبل ۱۹۳۶ء کا واقعہ ہے جب کچھ کی خوجہ جماعت نے خطیب اعظم اعلیٰ مقامہٗ کو مختلف مقامات کے دورے کے لئے مدعو کیا۔ جناب حاجی داؤد ناصر صاحب جو خطیب اعظم اور والدِ مرحوم کے مشترکہ دوست ہیں۔ اس وقت خوجہ جماعت بمبئی کے سیکرٹری تھے۔ دیگر عمائدین جماعت کے ساتھ آپ مرحوم کو لے کر مندریے تشریف لائے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کاٹھیاواڑ اور کچھ کے علاقے میں خطیب اعظم کی ولولہ انگیز تقاریر کی دھوم مچی ہوتی تھی اور ان کی تقاریر سننے کے لئے بلا امتیاز مذہب و ملت دُور دراز سے لوگ شریک ہوتے تھے۔ والدِ مرحوم جناب سیٹھ محمد حسین (منڈرہ والے) کو خطیب اعظم کا طرزِ بیان اور ان کا اخلاق کچھ اس قدر بھایا کہ ان پر فدا ہو گئے اور جماعت کے وفد کو اپنے یہاں کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے کی محفل کی رونق مرحوم کی دلچسپ اور پر مزاح گفتگو سے اور دوبالا ہو گئی۔ اس دعوت کی ملاقات دونوں بزرگوں کے لئے کچھ ایسی خصوصیات کی حامل تھی۔ جس کے نقوش ان کے دلوں پر ثبت ہو گئے اور تاحیات اس کے تذکرے جاری رہے۔ خطیب اعظم مرحوم اکثر اپنی نجی محفلوں میں مندریے کی کھچڑی اور کچھ کے پاپڑ، کا ذکر فرماتے رہتے۔ اگرچہ یہ ملاقات بڑی مختصر سی تھی لیکن دونوں کے مزاج کی یکسانیت، طبیعتوں کی موزونیت اور خیالات کی ہم آہنگی نے ایک

ایسی دوستی کی ابتدا کی جو دیکھنے والوں کے لئے ضرب المثل بن گئی اور زندگی کے آخری سانس تک دونوں بزرگ ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں برابر کے شریک رہے۔

تقسیم ملک کے بعد جب دونوں بزرگ پاکستان آگئے تو فاصلے کی حدیں ختم ہوگئیں۔ دوستی صرف دوستی ہی نہ رہی بلکہ ان کی محبت ایک دوسرے کی عقیدت میں بدل گئی۔ جس محفل میں خطیب اعظم شریک ہوتے تو گھنٹوں گفتگو رہتی۔ دونوں کی محبت اور دوستی میں ایک دوسرے پر مکمل اعتماد تھا بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دونوں ایک جان دو قالب نظر آتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس زمانے میں ایسی دوستی کا ہونا۔ جس میں خلوص ہو، یگانگت ہو، ایثار ہو، اعتماد ہو، مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ یہ اس دوستی کا نتیجہ تھا کہ جب والد مرحوم کا انتقال ۱۴ر جنوری ۱۹۶۵ء کو ہوا تو خطیب اعظم بے حد ملول ہوئے۔ فرمایا۔ میرے دوست نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ آج میں اپنے مخلص بھائی سے محروم ہوگیا اور کافی دیر تک روتے رہے۔ اگرچہ رات کافی ہو چکی تھی۔ مرحوم خود بھی بیمار تھے لیکن اپنے دوست کو خود کاندھا دیا اور اس کی آخری آرام گاہ تک پہنچایا۔ یہ مثالی دوستی اس منزل پر ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ والد مرحوم کے بعد انھوں نے کبھی مجھے یہ احساس نہ ہونے دیا کہ میں باپ کی شفقت سے محروم ہوگیا ہوں۔ ہمیشہ میرے سر پر محبت سے ہاتھ رکھا اور جس وقت میں نے والد مرحوم کی میت کو عراق لے جانے کا ارادہ کیا۔ ضعیفی کے باوجود خود عراق جانے کیلئے تیار ہوگئے۔ راستے کی تکلیف اٹھائی۔ آرام چھوڑا۔ صحت کا خیال نہ کیا۔ عازم عراق ہوئے اور اپنے ہاتھوں سے اپنے دوست کو وادی السلام میں یکم جون ۱۹۶۶ء کو سپرد خاک کرکے واپس ہوئے۔ اس کے بعد جب آقائے محسن الحکیم کی خدمت میں تشریف لے گئے تو مجھے ہمراہ لے گئے۔ اور یہ ہے میرے دوست کا بیٹا، کہہ کے تعارف کا شرف بخشا۔

اللہ اکبر کہاں ہیں۔ ایسے مخلص انسان جن کی دوستی کی مثال اس زمانے میں ملنا ناممکن ہے۔

خطیب اعظم اعلی اللہ مقامہ کی دوستی کے پہلو پر اگر روشنی ڈالی جائے تو ایک کتاب

بن جاتے۔ مرحوم کا حلقۂ احباب بے حد وسیع تھا۔ فقط برصغیر ہی میں نہیں، افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ میں بھی ان کے دوست تھے اور بڑے وفادار اور باکردار دوست! اس کے علاوہ ان کی خدمت میں جو بھی جاتا یہ تاثر لے کر آتا کہ وہ سب سے زیادہ ان سے قربت رکھتا ہے یہ اخلاق کی وہ بلندی ہے جو شاذ و بادید ہی نظر آتی ہے۔ وہ قوم کا بہترین سرمایہ تھے اور میرے لئے سب سے عظیم فخر ہے کہ وہ میرے والدِ مرحوم کے دوست تھے۔

خداوند عالم بہ تصدق آئمہ معصومین فردوس بریں میں درجۂ عالیہ عطا فرمائے۔

(آمین)

ڈیلی نیوز کراچی ۲۴ اگست ۱۹۷۱ء

سید محمد دہلوی کی موت نے مسلمانوں کو عام طور سے اور شیعہ فرقے کو خاص طور سے ایک عظیم المرتبت عالم دین اور ایک مشہور دینی محقق کی ذات سے محروم کر دیا ہے آپ نے اپنی زندگی کو دین اور انسانیت کی خدمت کے لئے نہ صرف وقف کر دیا بلکہ آپ ایک ایسے مقرر بھی تھے۔ جس کی مثال مشکل ہے۔ ذاکری میں آپ کے انداز اور ادائیگی میں کسی اور کے ساتھ تقابل کرنا بہت مشکل ہے۔

ایک دینی محقق کی حیثیت سے علامہ صاحب نے اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ دینی علوم کے مطالعہ میں صرف کیا۔ آپ کو نادر الوجود بیش قیمت کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا۔ اس لحاظ سے آپ کی یاد ہمیشہ تازہ رہے گی۔ کہ آپ نے یہ بیش قیمت خزینہ ایک کتب خانہ کی شکل میں مسلمانوں کو عطیہ کر دیا۔ آپ ایک مخیر انسان تھے۔ کتنے ہی خیراتی اور تعلیمی ادارے آپ کی سربراہی اور سرپرستی میں قائم ہوئے۔ جن کی آپ باقاعدہ دیکھ بھال کرتے رہتے تھے۔

آپ کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے۔ اس کے پر ہونے میں ایک عرصہ لگے گا۔

از جناب سید سرکار حسن تقوی امروہوی

میرے استاد

۱۹۱۹ء میں۔ میں اینگلو عربک ہائی اسکول دہلی کا پانچویں جماعت کا طالب علم تھا۔ رہائش درس گاہ سے چار میل کی مسافت یعنی رائے سینا میں تھی۔ چونکہ تحصیل علم کے شوق میں ترک وطن کئے ہوئے تھا۔ اس لئے دوری کو نظر انداز کئے ہوئے کبھی غیر حاضر رہنا تو درکنار کبھی اسکول میں تاخیر سے بھی نہیں پہونچا۔

میرے استاد معظم حضرت خطیب اعظم اعلی اللہ مقامہ ہمارے دینیات کے معلم تھے۔ دنیا میں آج بھی معلم ہیں۔ لیکن اس زمانے کے معلمین کا طرز تعلیم اور انداز نرالا ہی ہوتا تھا۔ کند ذہن طالب علم کے دل میں بھی اس زمانے کے معلمین شوق حصول تعلیم پیدا کر دیتے تھے۔ جس کا اندازہ اس چھوٹے سے واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ کہ ایک روز درس دینیات کے دوران حضرت خطیب اعظم اعلی اللہ مقامہ نے فرمایا۔ کہ کون لڑکا ایسا ہے جو کل پوری آیتہ الکرسی" اللہ لا الہ الا ھوا لحی القیوم" سے لے کر" ہم فیہا خالدون" تک صحیح زبانی سنا سکے۔ جو کل پوری آیتہ الکرسی سنائے گا۔ اسے میں اپنی ذات سے انعام دوں گا۔ چند لڑکوں نے ہاتھ کھڑے کئے۔ جن میں میں بھی شامل تھا۔

اسکول کی چھٹی ہونے کے بعد بجائے اس کے کہ میں اپنی قیام گاہ پر جاتا اپنے ایک ہم جماعت کے گھر اسی کے ہمراہ چلا گیا۔ جہاں ہم دُنوں نے آیتہ الکرسی یاد کرنا شروع کی۔ دل میں انعام کی امنگ اور حصول تعلیم کی لو لگی ہوئی تھی۔ لہٰذا ہم شام تک کلام پاک سامنے رکھ کر آیتہ الکرسی حفظ کرتے رہے۔ اور جب ایک دوسرے کو سنا چکے۔ تو میں رخصت ہو کر رائے سینا چلا گیا۔ علی الصبح نماز سے فارغ ہو کر پھر آیتہ الکرسی کی تلاوت میں مصروف ہو گیا۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر اسکول کے لئے روانہ ہوا اور تمام راستے آیتہ الکرسی کی تلاوت کرتے ہوئے اسکول پہونچا۔

جب دینیات کا گھنٹہ آیا تو استاد معظم حضرت خطیب اعظم اعلیٰ اللہ مقامہ نے دریافت فرمایا کہ کس کس نے آیتہ الکرسی یاد کی ہے۔ چند ہاتھ اٹھے اور بقیہ کلاس خاموش رہی یکے بعد دیگرے ان سے آیتہ الکرسی سنتے رہے۔ اور قرآن پاک کھول کر میز پر رکھ لیا۔ جب کوئی سنانے والا زیر و زبر کی غلطی کرتا تو اپنے پاس بلا کر اسی مطبوعہ آیتہ الکرسی دکھلا دیتے۔ اور فرماتے کہ ایک زیر کو زبر اور زبر کو زیر پڑھنے سے مطالب و معانی قرآن بدل جاتے ہیں۔ جس سے پورا عالم زیر و زبر ہو سکتا ہے۔

بہر حال چند ہم جماعتوں کے بعد میرا نمبر آیا۔ میں نے آیتہ الکرسی کی ابتداء کی اور بفضلہ از ابتدا تا انتہا کوئی غلطی نہیں پکڑی گئی۔ شاباش کے ساتھ مجھے انعام میں ایک قلم عطا ہوا۔ جسے استاد معظم اپنی جیب میں رکھ کر لائے تھے۔

وہ قلم آج بھی میرے پاس بطور تبرک محفوظ ہے۔ اور خطیب اعظم اعلیٰ اللہ مقامہ کی ایک بابرکت یادگار ہے۔

جناب سیٹھ حاجی داؤد ناصر

میرے دوست

سیٹھ حاجی داؤد ناصر بمبئی کی خوجہ اثنا عشری جماعت کے روح رواں اور برصغیر کی مشہور شیعہ شخصیت اور ممتاز تاجر ہیں۔ خطیب اعظم مرحوم سے ان کی دوستی مثالی دوستی تھی۔ اس دوستی کی نظیر آس پاس نظر نہیں آتی موصوف کی عمر اس وقت تقریباً ۸۵ سال ہے مگر حافظہ آج بھی ماضی کا گنجینہ اور یادوں کا خزینہ ہے۔ جب موصوف ان کی اور حضرت خطیب اعظم اعلیٰ اللہ مقامہ کی دوستی کے متعلق گفتگو ہوئی تو یہ حقیقی دوست آنکھوں میں اشک بھر کر بھرائی ہوئی آواز میں اس طرح بیان فرمانے لگے گویا کسی نے پچاس سالہ تاریخ دہرادی۔ اس گفتگو کا خلاصہ میں نے اُن کے اور اپنے الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

انٹرویو:۔ محمد عباس قمر زیدی

تقریباً پچاس، پچپن برس پہلے کی بات ہے۔ میں ہندوستان کے مشہور شہر بمبئی میں اثنا عشری خوجہ جماعت کا سکریٹری تھا۔ اس وقت کی مشہور و معروف شخصیت حسین بھائی لال جی جماعت کے صدر تھے۔ خطیب اعظم مرحوم خطابت کے شباب کی ابتدائی منازل میں داخل ہو چکے تھے۔ اور بحیثیت لکچرار، اینگلو عربک کالج دہلی میں فرائض انجام دے رہے تھے۔ میں نے ان کی تقریر کی شہرت سنی اور بمبئی میں عشرۂ محرم پڑھنے کی دعوت دی جس کو انہوں نے بخوشی قبول کر لیا۔ عشرہ پڑھا جو انتہائی کامیاب رہا۔ رخصت کے وقت ہم نے ایک ہزار روپے بطور نذر خدمت میں پیش کئے۔ مگر مرحوم نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ مجھے میری ملازمت سے اسقدر تنخواہ مل جاتی ہے

جو میری گذر اوقات کے لئے بہت کافی ہے ۔اس لئے میں ہرگز نہیں لے سکتا ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مرحوم کا یہی وہ طرز عمل تھا۔جس نے دل میں جگہ کر لی ۔اور مستحکم دوستی کی بنیادوں کے قیام کا سبب بنا۔مرحوم دہلی واپس لوٹ گئے۔ اور کئی سال تک محرم میں بمبئی آتے اور جاتے رہے۔ اس عرصہ میں میری اور مرحوم کی مسلسل خط وکتابت بھی رہی اور باہمی اتحاد مزاج پیدا ہو گیا۔ایک سال جماعت کے ممبروں کی طرف سے میں نے مولانا سے عرض کیا کہ عشرہ کے بعد آپ کو چند دن اور رکنا ہے۔ہم ایک جلسہ کر رہے ہیں۔اور اس میں آپ کا شکریہ ادا کریں گے۔ مولانا رک گئے۔جلسہ منعقد ہوا جس میں بمبئی کے بڑے سیٹھ۔اسلامی کونسل کے ممبران،اور جماعت کے مقتدر آدمی آگے کی صفوں میں تھے۔اور باقی حضرات کا مجمع بہت کافی پیچھے موجود تھا۔ہم جلسے سے پہلے ہی یہ طے کر چکے تھے کہ آج ہم جو کچھ قبلہ کو پیش کریں گے اس کے قبول کرنے کے لئے ہر آدمی انہیں مجبور کرے گا۔ چنانچہ جلسہ شروع ہوا۔مولانا کی تقریر کے بعد شکریہ ادا کیا گیا۔شکریہ کے ساتھ جماعت کی طرف سے مسلسل خدمات کے صلے میں/۲۵۰۰۰ ہزار روپے خدمت میں نذر کئے گئے جس کی آج کل کے اعتبار سے ڈھائی لاکھ روپے قیمت ہوتی ہے۔لیکن مرحوم نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔اور کہا کہ میں نے یہ خدمت اس لئے نہیں کی۔مگر طے شدہ پروگرام کے اعتبار سے ہر شخص مجبور کرنے لگا۔مولانا مجبور ہو گئے۔رقم قبول کر لی۔اور جلسے میں اعلان کیا کہ آج بمبئی والوں کی بدولت میں مالدار ہو گیا۔اب یہ میرا مال ہے۔اور اس کے صرف کرنے کا مجھے حق ہے۔جب سب سے اس بات کا اقرار لے لیا تو کہا کہ میں اس روپے کو خوجہ اثنا عشری مسجد کے فنڈ میں پیش کرتا ہوں۔ مجمع یہ سن کر ہکا بکا رہ گیا۔اور ان کی بے لوث خدمات کا قائل ہو گیا۔اور مولانا دہلی واپس تشریف لے گئے۔

عرصے تک بمبئی کے ہر گھر میں ان کے اس کردار کا چرچا رہا۔اس بے پروائی، اس استغنا کی بناء پر میری دوستی پکی ہو گئی۔جو آج تک قائم ہے۔

اس دور کی ساری مجلسیں میرے دماغ میں آج تک محفوظ ہیں۔ اور مجلسوں میں ہر قوم و مذہب کے ہزاروں آدمیوں کا بے پناہ مجمع ہوتا تھا۔ لوگ دور دور سے شرکت کے لئے آتے۔ دسیوں لاؤڈ اسپیکر علیحدہ علیحدہ لگانے کے باوجود مجمع کے لئے ناکافی ہوتے۔ ایسی پُرنور مجالس ہوتیں تھیں جن کا تذکرہ الفاظ میں ممکن نہیں۔ ہلکی ہلکی اور سادہ زبان میں بغیر کسی کے دل کو تکلیف پہنچائے ہوئے، ہنستے ہنساتے، مجمع کو اپنے مقصد تک لے جانا، ان کے دلوں میں اپنی تقریر کے اثرات قائم کر دینا۔ بس انہی کا کام تھا۔

مولانا کی یادگار تقاریر کی آوازیں ہمیشہ کیسر باغ اور بمبئی کی خوجہ اثنا عشری مسجد میں گونجتی رہیں گی۔

ایک مرتبہ کی بات ہے۔ کہ کاٹھیاواڑ اور کچھ سے ہماری جماعت کے لوگوں نے خواہش ظاہر کی کے سارے مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کرنے کے لئے مولانا کا دورہ کرایا جائے۔ میں نے بحیثیت سکریٹری دعوت قبول کرلی۔ ہم مولانا کو ساتھ لے کر بمبئی سے روانہ ہوئے۔ احمد آباد مشہور شہر اور صنعتی مرکز ہے۔ وہاں ہماری جماعت کے افراد کی تعداد زیادہ سے زیادہ پچھتر تھی۔ مگر اس وقت تعجب کی انتہا نہ رہی جب اسٹیشن پر ہزاروں مسلمانوں کو جناب آئی آئی چندریگر (قائد اعظم رح کے رفیق کار) کی قیادت میں استقبال کے لئے موجود پایا۔ رات کو جماعت کی طرف سے جلسے میں مولانا نے اتحاد بین المسلمین پر یادگار تقریر کی۔ جس نے تمام افراد کو متاثر کیا۔ چندریگر صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خواہش کی کہ دوسری تقریر جامع مسجد میں بعد از نماز جمعہ کی جائے۔ مولانا نے دعوت کو بخوشی قبول کرلیا۔ ہزاروں مسلمان مسجد میں جمع ہوئے۔ اور مولانا کی تقریر سے ایسے متاثر ہوئے کہ مزید قیام کے لئے مجبور کیا جانے لگا۔ ہم دورہ کے پروگرام کی وجہ سے مجبور تھے۔ چار و ناچار احمد آباد سے رخصت ہوئے۔

مختلف مقامات کا دورہ کرتے ہوئے جب ہم بھج پہنچے تو کچھ خشک سالی کا

شکار تھا۔ قحط کے آثار نمودار تھے۔ اور لوگ بارش کے لئے بے چین تھے۔

کچھ کے جلسے میں ہندو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ جوق در جوق شریک ہوئے۔ مولانا کی تقریر نے بلا تفریق مذہب و ملّت ہر شخص کو گرویدہ کرلیا۔ آپ کی عظمت اور تقدس نے ہندوؤں کے دل پر اتنا اثر کیا کہ اہل ہنود نے مشترکہ خواہش کی کہ اگر آپ کے پیر یعنی مولانا صاحب مجلس میں دعا کریں تو بارش ضرور ہوگی۔ ان کے عقیدت مندانہ اصرار نے مولانا کو مجبور کر دیا آپ نے دوران مجلس دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے خدا گواہ ہے۔ اب تک وہ سماں میرے دل و دماغ میں محفوظ ہے۔ اور وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ کہ ابھی دس منٹ بھی نہ گذرے تھے کہ گھر کر بادل آنا شروع ہوئے اور ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ جل تھل ایک ہوگئے۔

اس واقعہ کے بعد اس علاقے میں مولانا کی عزّت اور عظمت اہل کاٹھیاواڑ کے دلوں میں قائم ہوئی جو مرتے دم تک نہ مٹ سکی۔

کچھ عرصے کے بعد افریقہ کی پچیس[۲۵] انجمنوں کی طرف سے مجھے بحیثیت سکریٹری دعوت نامہ وصول ہوا۔ کہ میں مولانا کو افریقہ کے دورے پر لے کر آؤں۔ میں نے وہاں کی انجمن کے چیف سکریٹری کو مطلع کیا کہ ہم آنے کے لئے تیار ہیں۔ بشرطیکہ ہر جگہ مولانا کی تقریر کا اس طرح انتظام کیا جائے کہ ایک مخصوص مجلس ہمارے فرقے سے متعلق ہو، دوسری مجلس عام مسلمانوں سے متعلق ہو اور تیسری مجلس عام پبلک کے لئے ہو۔ میرے خط کے جواب میں چیف سکریٹری صاحب نے تحریر کیا کہ پبلک کے جلسوں میں جھگڑے کا اندیشہ ہے۔ مگر میں نے مکمل ذمہ داری لے لی۔ اور یوں ہم مذہب اہل بیت کی تبلیغ کے لئے افریقہ کے دور دراز سفر پر روانہ ہوئے۔

ٹانگانیکہ، یوگنڈا، اور کینیا کا چپہ چپہ مرحوم کے پر طرز بیانات سے منور ہوگیا۔ ہزاروں دلوں میں محبت اہل بیت کے چراغ روشن ہوگئے۔

افسوس یہ زمانہ تیزی سے گذر گیا۔ اپنی پُر کیف یادوں کے نقوش لاکھوں انسانوں

کے دلوں پر قائم کر کے میرا عزیز ترین دوست آج مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔

آپ نے فرمایا۔ مختصر یہ سمجھو کہ مرحوم مجھ سے عمر میں چھوٹے تھے مگر میں مثل باپ کے تصور کرتا تھا۔ ان کے مرنے سے مجھے آج یتیمی کا احساس ہوا ہے۔ بس اب جب تک یہ بے کیف زندگی باقی ہے۔ اعضاء اور جوارح ساتھ دے رہے ہیں۔ اس وقت تک نمازیں اور فاتحہ مرحوم کی بارگاہ میں بطور یاد پیش کرتا رہوں گا۔

ہائے لطف زندگی ختم ہو گیا۔ ایسا دوست مجھ سے جدا ہو گیا جس کا بدل ناممکن ہے۔ خدا جنت نصیب کرے۔ خدا کی قسم اب ایسے انسان پیدا نہیں ہوتے۔

ہائے پچاس سالہ دوستی کی زندگی کو موت کے ہاتھوں نے خاتمہ کر دیا۔ میں خود بھی پابہ رکاب ہوں۔

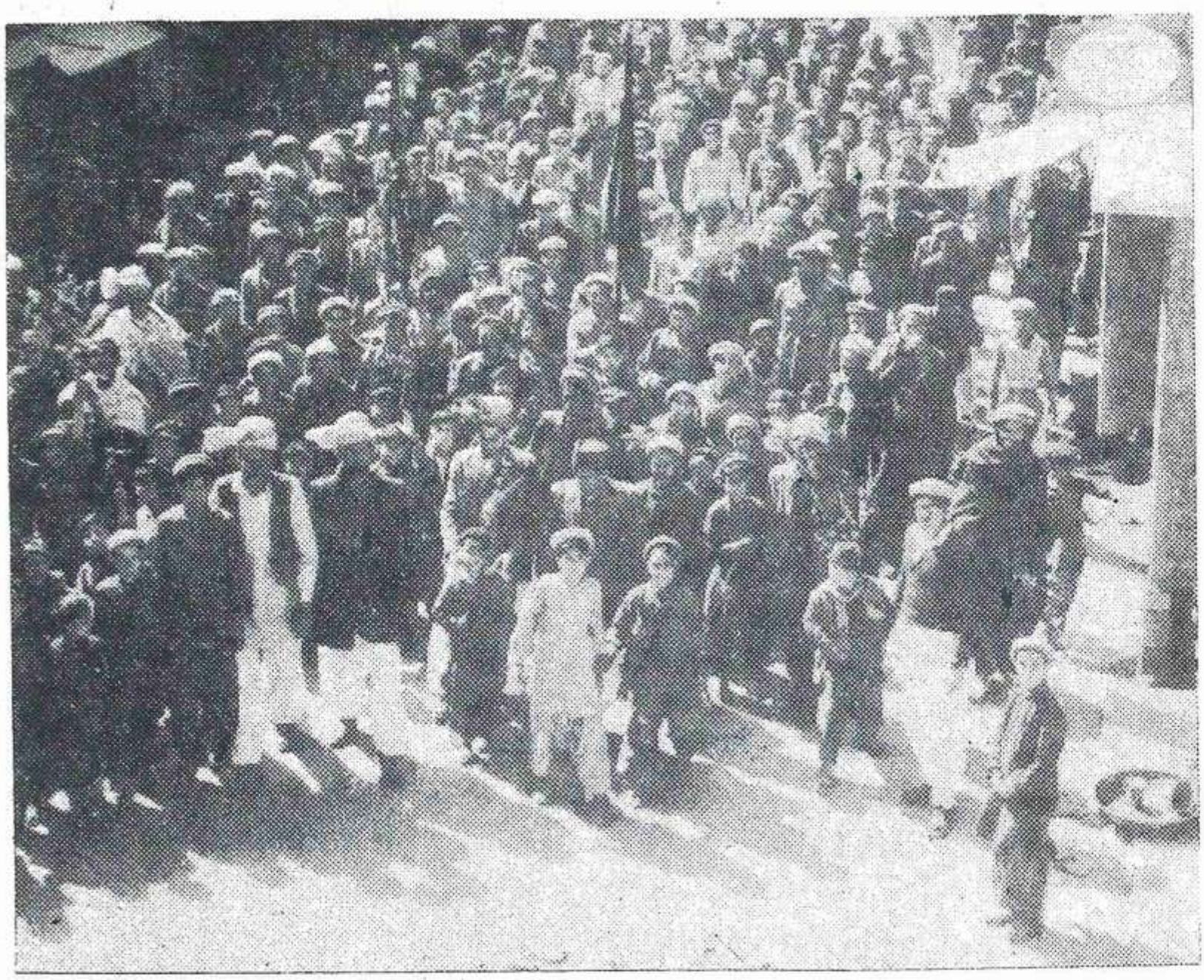

پارا چنار کورم ایجنسی میں تحریک مطالبات کا ایک جلوس

از جناب ابن صفی صاحب

"میرے بابا"

مرحوم بلاشبہ دنیائے اسلام کی بڑی شخصیات میں سے تھے۔ لیکن مجھ میں اتنی اہلیت نہیں کہ اُن کے اس رُتبے کو اپنی علمی کسوٹی پر پرکھ سکوں۔ میں تو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ کتنے شفیق تھے۔ میں انھیں بابا کہتا تھا اور مجھے یقین ہے کہ وہ سید احمد کے سارے دوستوں میں مجھے سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ایک دن کسی بات پر کہنے لگے 'میں آپ کو اپنے اہلبیت میں شامل سمجھتا ہوں'۔ میں نے کہا۔ 'بابا میں تو کٹر سُنّی ہوں'۔ مسکرائے اور بڑی شفقت سے بولے۔ میں جانتا ہوں اور کبھی کبھی سنی سنائی پر بھی یقین کر لیتا ہوں۔ ذرا اپنے اس سلام کا مطلع اور دوسرا شعر تو سنائیے جو اس دن سنا رہے تھے میں نے عرض کیا:

یزید و شمر کی آنکھوں سے کم نہیں ہوتی — غمِ حسینؑ میں جو آنکھ نم نہیں ہوتی
بغیر حُبِّ علی عشقِ مصطفےٰ کیسا — نماز کیسی جو سوئے حرم نہیں ہوتی

ہاتھ اُٹھا کر بولے۔ بس یہی دو شعر کافی ہیں آپ کو میرے اہلبیت میں شامل کرنے کے لئے۔

اکثر ان سے اتحاد بین المسلمین کے مسئلے پر گفتگو ہوتی۔ میری دانست میں وہ اس کے بہت بڑے حامی تھے اور اس سلسلے میں گفتگو کرتے وقت میں نے ہمیشہ اُن کے

لہجے میں بے پناہ خلوص محسوس کیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ سارے فرقوں کو آپس میں قریب سے قریب تر آجانا چاہیئے۔ اسی پر پاکستان کی بقا اور سالمیت کا انحصار ہے ورنہ ہو سکتا ہے کہ قریبی دشمن کبھی اس افتراق سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا جاتے۔

کبھی کبھی وہ مجھ سے میرے فن کے بارے میں بھی گفتگو کرتے اور میں حیرت سے سنتا رہتا۔ اُن کی وسیع معلومات پر عَش عَش کرتا۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے علمیت کا ایک بحرِ ذخار موجیں مار رہا ہو۔ مجھے فخر ہے کہ وہ میری کتابیں پڑھتے تھے اور بسا اوقات مفید مشوروں سے بھی نوازتے تھے!

اب وہ ہم میں نہیں ہیں۔ یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ کبھی جوہر کے پاس بیٹھا ہوتا ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے ابھی گھر سے باہر آئیں گے۔ میں اُٹھکر سلام کرونگا۔ اور وہ اپنی مخصوص پُر شفقت مسکراہٹ کے ساتھ کہیں گے۔ "اخاہ! ابن صفی صاحب ہیں۔ بھئی آجکل بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔ کیا بات ہے!"

(ہفت روزہ رضا کار لاہور)

مولانا سیّد محمد صاحب قبلہ کی وفات بلاشبہ ایک بہت بڑا قومی نقصان ہے۔ اور یہ محض ایک رسمی بات نہیں۔ بلکہ حقیقت ہے کہ ان کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا ہے۔ اُسے پر کرنا ناممکن ہے۔

مولانا سیّد محمد صاحب قبلہ کا نام زبان پر آتے ہی ذہن میں فوراً ایک عظیم خطیب اور مخلص رہنما کا تصوّر آتا ہے ـــــ مرحوم نے برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے میں اپنی سحر انگیز خطابت کے موتی بکھیر دیئے، اور مذہب حقہ کی تبلیغ ایسے احسن عنوان سے فرمائی کہ عظمت محمدؐ و آل محمدؐ کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ اور لاکھوں دلوں میں ایمان کی شمع فروزاں کر دی۔

خطیب عظیم کا مکتوب آیت اللہ العظمیٰ آقائے محسن الحکیم کے نام..... (ترجمہ)

ایک تاریخی دستاویز

حضرت آیت اللہ العظمیٰ والحجتہ الکبریٰ سید الطائفہ آقائے سید محسن الحکیم مدظلہ العالی۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں درگاہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آنجناب کا سایہ مسلمانوں کے سر پر قائم رکھے جناب کو علم ہے کہ میں کئی سال سے شیعانِ پاکستان کے مطالبات حکومتِ پاکستان کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ جب میں نجف میں جناب کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو جناب سے اس سلسلہ میں مدد اور استفسار بھی کیا تھا اور جناب نے مجھے خصوصی اجازہ مرحمت فرمایا تھا۔ سرکار کے احکام کے مطابق میں نے قانون وتہذیب دستور کے حدود میں اہم حکام سے مطالبات کی منظوری کے لئے درخواستیں کیں، مگر اب تک شیعانِ پاکستان کے لئے قابلِ اطمینان کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکی ہے اور نصابِ تعلیم جو مرتب ہوا ہے اس سے عقائد دین جعفری کی تعلیم ختم ہونے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ اب مجبوراً مجھے مطالبات کی منظوری کیلئے حکومت کے قوانین کی خلاف ورزی کرنا اور جیل جانا ضروری معلوم ہوتا ہے اس کے بعد تمام شیعانِ پاکستان ایسا ہی کریں گے وہ اس پر آمادہ ہیں۔ آیا جناب عالی اس کو مناسب خیال فرماتے ہیں کہ میں ایسا اقدام کروں۔ جس کے نتیجہ میں امید ہے کہ شیعہ مطالبات پورے ہو جائیں گے

آپ کا مخلص خادم۔ السید محمد دھلوی

آقائے حکیم کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ولہ الحمد

پس از ابلاغ سلام اور آپ کی خیریت معلوم ہونے کے بعد آپ کے لئے توفیق کا خواستگار ہوں۔ آپ نے جس مقصد کے لئے (استفتاء) کیا ہے اس کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ نرمی اور دوستی کے ساتھ حکومت سے مطالبہ فرمایئے اور امید ہے کہ حکومت ضرور منظور کرے گی۔ اس لئے کہ سنا جاتا ہے کہ حکومتِ پاکستان دین اسلام کے اصولوں کی پابندی اور مذاہبِ اسلام کے حقوق کی نگرانی کی سعی کرتی ہے۔ چونکہ شیعوں کے مطالبات دین کے مطابق ہیں۔ اس لئے توقع ہے کہ حکومتِ پاکستان ان کی منظوری میں کوتاہی نہ کرے گی۔ اگر ایسا نہ ہو تو جیل جانے میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ جان کے لئے ضرر رساں نہ ہو، اور اس سے مفید نتائج حاصل ہو سکیں

"اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدمی کی توفیق دے گا۔"

میں اللہ سے آپ اور تمام مومنین کے لئے توفیق نیک کا طلب گار رہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محسن الحکیم الطباطبائی

۱۴ رمضان ۱۳۸۷ھ

از جناب سیّد علی مظہر رضوی

عدیم المثال قومی رہنما

ایک بار خطیب اعظم مرحوم سے قومی مسائل پر گفتگو ہو رہی تھی۔ میں نے عرض کیا۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ اب ہم میں کوئی ایسا نہیں رہا جو قوم کی قیادت کر سکتا آپ نے حسب معمول مسکرا کر کہا۔ نہیں میاں یہ بات نہیں! مشکل یہ ہے کہ ہماری قوم کا ہر فرد قائد ہے لیکن اس کے پیچھے چلنے والا کوئی نہیں ہے۔ میں نے اس وقت بھی ان کی بات سے اتفاق نہیں کیا تھا اور آج جبکہ وہ مرحوم و مغفور ہو چکے ہیں تو قیادت کے فقدان کا احساس اور بھی شدید ہو گیا ہے کیونکہ گذشتہ ۲۵ سال میں اگر کسی نے قوم کی قیادت کی تو وہ ان ہی کی ذات تھی۔ افسوس قوم اپنے قائد سے محروم ہو گئی ہے اور یہ خلا شاید جلد پورا نہ ہو سکے۔

یہ کتنا زبردست المیہ ہے کہ قیام پاکستان سے قبل جس قوم کے افراد برصغیر کے مسلمانوں کی قیادت سنبھالے ہوئے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد قحط الرجال کا شکار ہو گئے۔ ہر طرف سے 'ھل من ناصر ینصرنا' کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ ہر شخص سن رہا تھا اور لبیک بھی کہنا چاہتا تھا لیکن کوئی نہیں تھا جو ان کو بتاتا کہ وہ کدھر جائیں۔ نہ کوئی منزل کا تعین کرنے والا تھا اور نہ کوئی منزل تک رہنمائی کرنے والا۔ بالآخر مولانا سید محمد دہلوی نے اپنی کبرسنی کے باوجود کمر ہمت کسی اور لوگوں کو آواز دی۔ آؤ۔ میں

لے چلتا ہوں تم کو منزل کی طرف۔

معاشرتی زندگی میں جہاں بعض مسائل ایسے ہوتے جن کو حل کرنے کے لئے فرقہ دارانہ تنظیمیں نہ صرف غیر ضروری بلکہ مضر ہوتی ہیں۔ اسی طرح بعض مسائل ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو فرقہ وارانہ تنظیموں ہی کے ذریعہ حل کیا جاسکتا ہے۔ تعلیمی اداروں میں شیعہ دینیات اور شیعی نقطۂ نظر سے اسلامی تاریخ کی تعلیم۔ عزاداری کا تحفظ اور شیعہ اوقاف کا صحیح مصرف، چند ایسے مسائل تھے جو عام سیاسی پلیٹ فارم پر طے نہیں ہو سکتے تھے۔ ان کے لئے ایک ایسی تنظیم اور ایسی قیادت کی ضرورت تھی جس پر پوری قوم کو اتفاق اور اعتماد ہو۔ مولانا مرحوم نے ۱۹۶۴ء میں علماء کنونشن کے ذریعہ قوم کی منتشر قوتوں کو یکجا کر کے کسی رسمی تنظیم کے بغیر ایک زبردست قومی تحریک کی بنیاد رکھ دی اور قوم نے مولانا کی قیادت و سیادت پر کلی اعتماد کر کے ان کے تدبر اور خلوص کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ علماء کنونشن جس میں تقریباً دو سو ممتاز شیعہ عالمانِ دین نے شرکت کی اور مطالبات کے حصول کے لئے ایک متفقہ لائحۂ عمل اختیار کیا۔ مولانا سید محمد دہلوی کا ایک ایسا کارنامہ ہے جو پاکستان کے شیعوں کی تاریخ میں ہمیشہ سنہرے الفاظ میں لکھا جائے گا۔

زندگی بھر سیاست کی گہما گہمی سے الگ تھلگ رہنے کے باوجود مولانا مرحوم نے جس دن سے قوم کی قیادت کی ذمہ داری قبول کی ان کے طرزِ عمل سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اسی کام کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ وہ زور خطابت جو ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع کو مسحور کر دیتا تھا۔ اب مطالبات کے منوانے پر صرف ہونے لگا۔

مطالبات کے سلسلے میں مولانا کو نہ تو کسی سے ملنے میں عار تھا اور نہ کہیں جانے میں عذر ہوتا۔ مطالبات کی تحریک جس انداز میں چلائی گئی وہ مولانا کے تدبر کی دلیل ہے اس تحریک میں قوم کا ہر فرد شامل تھا لیکن مولانا کے سوا کسی پر کوئی ذمہ داری نہ تھی

حکومت کو قائل کرنا اور مقتدر علمائے اہل سنّت کو اپنا ہمنوا بنانا خطیب اعظم کے سوا کسی اور کے بس کی بات نہیں۔

غالب نے کہا ہے ؎

اس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
ہم کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گئے

تحریکِ مطالبات کے سلسلے میں مولانا شہر بہ شہر اور قریہ بہ قریہ صدا لگاتے پھرتے تھے۔

۱۹۶۵ء کی بات ہے۔ تحریک ابھی شروع ہوئی تھی۔ شیعان لاہور کو اپنا ہمنوا بنانے اور گورنر مغربی پاکستان کو میمورنڈم پیش کرنے کے لئے مولانا لاہور تشریف لائے۔ ان دنوں میں بھی وہیں تھا۔ میں نے دیکھا کہ مشتبہ کردار کے چند لوگ مولانا کو اپنے گھیرے میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے سہارے اپنی اُجڑی دکانیں دوبارہ چمکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک دن میں موقع پا کر مولانا سے کہا۔ یہ لوگ آپ کی آڑ میں قوم کا شکار کھیلنا چاہتے ہیں اور جس دن ان کا کام بن جائے گا یہ آپ سے دشمن کی طرح آنکھیں پھیر لیں گے۔

ہنس کر کہنے لگے۔ میاں کبھی نہ کبھی کھوٹا پیسہ اور نکٹا بیٹا دونوں کام آجاتے ہیں۔

مَیں آج بھی تعجب کرتا ہوں کہ مولانا نے ان طالع آزماؤں کو کیسے برداشت کیا اور اس سے بھی زیادہ تعجب اس بات پر ہے کہ مولانا ان کی ریشہ دوانیوں کا توڑ کیونکر کرتے تھے۔

۱۹۶۷ء میں تحریک مطالبات ہی کے سلسلہ میں مولانا مرحوم سے سرگودھا میں ملاقات ہوئی۔ عالم یہ تھا کہ امام باڑے کے اندر مولانا سرگودھا کے علماء اور دیگر اکابرین سے خطاب کر رہے تھے اور امام باڑے کے باہر وہی لاہوری طالع آزما کے چند حواری مولانا کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ لوگوں کا اصرار تھا کہ ان لقوں کے منھ بند

کر دینے کی اجازت دی جائے اور مولانا کی تلقین کہ ہر طرح کی غنڈہ گردی کی پروا کئے بغیر تحریک کو آگے بڑھاتے رہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نعرہ باز خود ہی شرمندہ ہو کر چلے گئے۔ اور قومی اتحاد اپنی جگہ برقرار رہا ہے۔ مولانا نے اس تحریک کو چلانے میں جس حلم اور بردباری کا ثبوت دیا وہ ان ہی کا حصّہ تھا۔

تحریک مطالبات کی بنا پر مولانا نے شیعوں کے متفق علیہ قائد ہونے کی حیثیت سے علمائے پاکستان میں ایک خاص حیثیت حاصل کر لی تھی۔ ان کی اس حیثیت سے سیاسی فائدہ اٹھانے کے لئے مختلف سیاسی لیڈروں اور جماعتوں نے ان کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ انتخابات سے قبل طرح طرح کی خبریں گشت کر رہی تھیں لیکن مولانا مرحوم نے خود کو کسی سیاسی جماعت سے وابستہ نہیں کیا اور اس طرح تحریک کو سیاسی گٹھ جوڑ سے پاک رکھا۔ مولانا کی یہ احتیاط ان کے سیاسی تدبّر اور دُور اندیشی کا ثبوت ہے۔

آج قوم اپنے قائد کے لئے غم گسار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قوم ان کا جتنا غم کرے اور جس طرح بھی ان کی یادگار منائے وہ کم ہے۔ خطیب اعظم نے حضرت قائد اعظم کی طرح بغیر خون بہائے اور قوم کو کسی طرح کے امتحان میں ڈالے بغیر انتہائی مختصر مدت میں قومی مطالبات منوا لئے۔ قائد ملّت کی زندگی ہمیشہ شیعان پاکستان کے لئے ہمیشہ منارہ نور کی طرح رہنمائی کرتی رہے گی۔

جناب آصف علی — قائمقام امیر جماعت اسلامی

"مولانا سید محمد دہلوی کی وفات ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ مولانا نے تبلیغ دین کے لئے جو خدمات انجام دی ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔"

آسماں اُن کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حوزہ علمیہ نجف و قم کی تعزیت

آیت اللہ ابوالقاسم خوئی

نجف اشرف (عراق)

جناب سیّد احمد جوہر

مجھے آپ سے پرخلوص اور دلی ہمدردی ہے۔ نجف کے دینی حلقے آپ کے غم میں شریک ہیں۔ اللہ آپ کو اور مرحوم کے دوسرے اہل خاندان کو صبر کی توفیق عطا فرماتے۔

آیت اللہ سیّد محمد کاظم شریعتمداری قم (ایران)

آقائے سیّد محمد دہلوی کی وفات حسرت آیات پر تعزیت قبول فرمایئے۔ اللہ مرحوم کی روح کو اعلیٰ علیین میں آئمہ معصومین کے جواریں جگہ دے۔

آیت اللہ آقائے محمد علی الحکیم نجف اشرف (عراق)

خطیب عظیم کی وفات دینی حلقوں کے لئے عظیم صدمہ ہے۔ خداوند عالم آپ سب کو صبر جمیل عطا کرے۔

آیت اللہ سیّد محمد شیرازی کربلا (عراق)

جناب آقائے سید احمد جوہر محترم

مجاہد اسلام خطیب اعظم کی وفات پر دلی رنج و غم کے ساتھ میری تعزیت قبول فرمائیے۔

مولانا سیّد شمیم السبطین رضوی از قم (ایران)

خطیب اعظم مولانا سیّد محمد مرحوم کی وفات پوری شیعہ قوم کے لئے ایک نقصانِ عظیم ہے۔ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ میں آپ کے غم میں شریک ہوں۔

جناب سیّد عباس حسن گردیزی رکن قومی اسمبلی ملتان

"علامہ صاحب کی دینی خدمات ہمارے لئے مشعل راہ ہیں ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور فرقہ واریت سے اجتناب کرنا چاہیئے۔"

جناب عزیز الرحمٰن خاں عزیز وارثی حیدر آباد

"قائد ملّت جعفریہ علامہ سید محمد دہلوی کی رحلت پوری ملّت اسلامیہ کا ایک عظیم اور ناقابل تلافی نقصان ہے کیونکہ علامہ موصوف صرف شیعوں ہی کے نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے حقیقی دردمند اور مخلص مفکر تھے علامہ نے تحریک پاکستان میں جو خدمات انجام دی ہیں انہیں قوم فراموش نہیں کر سکتی۔"

جناب آقائے شیخ محمد شریعت مدظلہ العالی

اِن کی تحریک ہی اِن کی بہترین یادگار ہے

موجودہ زمانہ میں اگر ہم بزرگانِ دین میں سے کسی ایک فرد سے محروم ہو جاتے ہیں پھر اس دور کا اقتضا نہیں ہے کہ دوسرا ایجاد کرے چہ جائیکہ اگر افرادِ برجستہ اور مشاہیر سے ہو مثل مرحوم خطیب اعظم دہلوی تغمدہ اللہ برحمتہ اپنی مجالس وعظ میں لوگوں کے سامنے زیادہ تر قرآن واحادیث پیش فرمایا کرتے تھے۔ مرحوم نہ صرف منبر پر رونق افروز ہو کر لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتے تھے بلکہ اپنی عمومی نشست میں بھی اپنے مخصوص اندازِ تکلم سے لوگوں میں سرگرمی اور جوش و ولولہ پیدا کرتے تھے اور لوگ ان کی خوش بیانی سے محفوظ ہوتے تھے، اور کسی وقت بھی ان کی خوش گفتاری لطائف و حکمت سے خالی نہ ہوتی تھی۔ عمر کے آخری حصّہ میں انھوں نے بہت بڑا قدم اٹھایا تاکہ ہماری موجودہ نسل کے نوجوانوں کے مذہبی اعتقادات محفوظ رہ سکیں۔ اور امید ہے کہ مؤمنین ان کی اس تحریک کو جاری رکھیں گے تاکہ یہ تحریک قطعی مرحلہ پر پہنچ جائے۔ اس سے ان کی روح اس عالم میں شاد و خرّم ہوگی اور یہ ان کی بہترین یادگار ہے۔

جناب مولانا حشمت علی صاحب قبلہ ممتاز الافاضل

ماقدروا اللہ حق قدرہ

آہ اے سربراہِ ملتِ جعفریہ درحقیقت تو بڑا ہی بات کا دھنی اور قول کا پکا تھا کہ امام باڑہ رضویہ میں سینکڑوں علماء کی موجودگی میں یہ کہا تھا کہ "اگر قوم نے مجھے سربراہ بنایا ہے تو سربراہ وہ ہوتا ہے جو سر راہ میں کٹوا دے مگر راہ سے سر نہ ہٹے"۔ وہ ایسا پورا کیا کہ فقط شیعہ ہی نہیں بلکہ پورا پاکستان آپ کی اس سربراہی کا شاہد عادل ہے۔ ہائے اے سرفروش قوم شیعہ تو نے ایسے وقت اس کو جگایا ہی نہیں بلکہ ہوشیار و ہونہار کر دیا کہ جب بڑے بڑے..... اس کو تھپک تھپک کر ایسے سلا چکے تھے کہ گویا ...... آج تو خود اگرچہ در گور، آرام پذیر ہے مگر قوم بیدار ہے اور زندہ صفوں میں ہے۔ ہم تیرے اس احسان عظیم کو تا قیامت نہیں بھول سکتے خدائے رحیم و کریم سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ہم کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس مشن کو منزلِ مقصود تک پہنچائیں۔ تن من اور دھن کی بازی لگا دیں جو مرحوم شروع کر کے کشتیٔ ملت کو کنارے کے قریب چھوڑ گئے ہیں۔ اے افرادِ ملت جعفریہ عہد کرو کہ اے سید محمد ہم تیرے ایسے ہی وفادار ہیں اور رہینگے جیسے آپکی موجودگی میں تھے اور جب تک زندہ ہیں اس بیان پر قائم رہیں گے۔ حقیقتاً مرحوم کی صحیح یادگار یہی ہے کہ اس جادہ سے قدم نہ ہٹے جو قائد ملت اور سربراہ قوم نے قائم کیا ہے۔

جناب مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مدظلہ

مجاہدانہ خدمات

حضرت مولانا سیّد محمد صاحب دہلوی کی اچانک وفات سے علمی اور مذہبی حلقوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ کیونکہ علمی تبحر کے ساتھ ساتھ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ دینی تقاضوں کو سیاست اور مصلحت پر قربان نہیں کرتے تھے۔ حق گوئی اور بیباکی ان کا شیوہ تھا۔ ہر باطل کے مقابلہ کے لئے پیش پیش رہتے تھے اور سوشلزم یا اسلامی سوشلزم کے خلاف ان کی مجاہدانہ خدمات تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ حقِ تعالیٰ ان کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمادے اور متوسلین کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین

نواب زادہ الٰہی میاں گلزار باغ۔ پٹنہ (ہندوستان)

خطیبِ اعظم کی وفات تمام شیعانِ پٹنہ کے لئے باعثِ رنج و غم ہے۔ ہم سب آپ کے غم میں شریک ہیں۔ مرحوم کی یاد "گلزار باغ" میں ہمیشہ تازہ رہے گی۔ خدا آپکو صبر دے۔

ٹی۔ ایم۔ ظریف چیئرمین فیض حسینی کلکتہ مغربی بنگال

اراکین فیض۔ شیعانِ مغربی بنگال اور میری جانب سے جناب خطیبِ اعظم مولانا سید محمد دہلوی مرحوم کے پسماندگان اور شیعانِ کراچی کی خدمت میں ہمارے شدید رنج و غم کے تاثرات پہنچا دیجئے۔ جناب خطیبِ اعظم کی وفات پر ہم سب دل گرفتہ ہیں اور اللہ سے دست بدعا ہیں ان کی روح کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

روشن علی ناصر و قاسم علی پنجم بھائی بمبئی (ہندوستان)

جناب خطیبِ اعظم مولانا سید محمد دہلوی کی وفات سے ہم کو دلی صدمہ ہوا ہے۔ یہ ایک ایسا قومی سانحہ ہے جس کے لئے ہم سب دل گرفتہ ہیں۔ میری جانب سے اور تمام خوجہ جماعت کی جانب سے مرحوم کے پسماندگان سے اظہارِ ہمدردی فرمائیے۔

جناب سید احمد

محترمہ زیب النساء عباس صاحبہ کلکتہ (مغربی بنگال)

آپ کے والد گرامی کی وفات پر دلی افسوس ہے میری جانب سے اور تمام اہلِ خاندان کی تعزیت قبول فرمائیے۔ خداوندِ عالم آپ سب کو اور بہن حمیدہ خاتون کو صبر عطا کرے۔

منجانب :۔ خوجہ شیعہ اثنا عشری سپریم کونسل ممباسہ۔ کینیا۔

کونسل کو یہ خبر شائع کرتے ہوئے بہت دکھ ہے کہ پچھلے جمعہ کو کراچی سے ملے ہوئے تار کے مطابق مایۂ ناز اور مشہور ذاکر خطیبِ اعظم جناب سید محمد صاحب دہلوی کراچی میں وفات پا گئے۔

مندرجہ بالا خبر ہم کو فخرِ قوم سیٹھ حاجی داؤد بھائی حاجی ناصر کی معرفت ملی ہے ایسٹ افریقہ کے اپنے بھائیوں کو علم ہے کہ مرحوم مولانا سیّد محمد دھلوی صاحب اور حاجی داؤد بھائی ناصر افریقہ آئے تھے اور بہت سی جماعتوں سے رابطہ قائم کیا تھا، اور اپنی ذاکری کے فن سے ہم سب کو فیضیاب کیا تھا۔ مرحوم مولانا سیّد محمد دھلوی صاحب خطیب اعظم اپنے دَور کے مایۂ ناز اور بلند پایہ ذاکر تھے۔ ایام محرم میں قیصر باغ بمبئی میں ان کی مجالس سننے کے لئے ہزارہا لوگ جمع ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ تمام اطراف کے راستے لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے بند ہو جاتے تھے اور اضافی لاؤڈ اسپیکر لگائے جاتے تھے دینِ حق کے ساتھ شہادتِ کربلا کے عنوان پر مرحوم کی تقریر ملّت اور غیر ملّت دونوں کے دلوں پر گہرا اثر چھوڑتی تھی۔ اور خطیبِ اعظم کا پر عقیدت خطاب عوام کی جانب سے پیش کیا گیا۔ دینِ اسلام اور مذہب شیعہ کی مرحوم کی خدمات تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گی۔

اس جانکاہ صدمہ کی وجہ سے افریقہ کی جماعتوں اور کونسل کی طرف سے مرحوم سیّد محمد دھلوی صاحب کے خاندان اور قریبی اعزا اور فخرِ قوم حاجی داؤد بھائی کو دلی طور پر تعزیت پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم خطیب اعظم آلِ محمد کو بحق چہاردہ معصومین علیہ السلام جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ کونسل ہر ایک فرد اور افریقہ کی سب جماعتوں سے مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے مجلس اور فاتحہ خوانی کی اپیل کرتے ہیں۔

تعزیتی اجتماعات

خطیب اعظم کی وفات قومی اور دینی حلقوں کے لئے ایک صدمۂ عظیم تھی پاکستان کے گوشے گوشے میں جو تعزیتی جلسے منعقد ہوئے اور تعزیتی قرار دادیں پاس ہوئیں ۔ ان کے سب کے تذکرے کے لئے صدہا صفحات درکار ہیں اخبارات اور خطوط سے جو اطلاعات حاصل ہو سکی ہیں۔ ان کے لحاظ سے حسب ذیل اداروں نے اپنے خصوصی اجتماعات میں اس عظیم حادثے پر اپنے رنج و غم کا اظہار کیا۔

کل پاکستان شیعہ یوتھ لیگ لاہور۔ مغربی پاکستان جعفریہ تنظیم لاہور بلوتراب اسکاؤٹس گروپ۔ پاکستان شیعہ پولیٹیکل پارٹی لاہور۔ ادارہ حقوقِ انسانی لاہور انجمن ذوالفقار حیدری۔ انجمن غلامان حیدر جدید۔ پیپلز اسٹوڈنٹس پارٹی۔ اسلامی تحریکِ طلباء۔ انجمن کاروانِ عزا، بزم گلشن ادب۔ ادارہ محفل حسینی ویلفیئر سوسائٹی (مشترکہ اجلاس) انجمن اصغریہ (ملیر محمدی ڈیرہ) انجمن تنظیم گلزار حسینی انکلسریا نرسنگ ہوم ایمپلائز یونین کراچی۔ پاکستان شیعہ دینیات کمیٹی۔ پاکستان شیعہ فیڈریشن۔ شیعہ ماتمی متحدہ محاذ۔ ادارہ تحفظ حقوقِ شیعہ کراچی۔ انجمن شاہِ نجف کراچی انجمن یادگار حسینی ممتاز آباد ملتان۔ شیعہ مطالبات کمیٹی راولپنڈی۔ انجمن عون و محمد ڈرگ روڈ۔ انجمن محمدی قدیم۔ ادارہ تبلیغ شیعہ کوئٹہ۔ پنجابی امام باڑہ کوئٹہ ینگ مسلم ایسوسی ایشن کوئٹہ۔ انجمن محبّان اہل بیت کوئٹہ۔ انجمن جعفریہ مظفر آباد آزاد کشمیر۔ مطالبات کمیٹی پاراچنار۔ مطالبات کمیٹی بنگود علاقہ نیگش۔

(مشترکہ اجلاس) پاکستان حیدری کونسل۔ طلبا اور طالبات حسینی بوائز اور گرلز سیکنڈری اسکول کراچی۔ اساتذہ حسینی بوائز اور گرلز سیکنڈری اسکول کراچی۔ پاکستان شیعہ مطالبات کمیٹی۔ مومنین ڈرگ روڈ۔ پاک حیدری اسکاؤٹس۔ انجمن گل گلزار علی اکبر۔ انجمن تنظیم گل گلزار حسینی اورنگی ٹاؤن سیکٹر ۱۰۔ جامعہ امامیہ ناظم آباد۔ ادبی سوسائٹی آڈٹ آفس۔ انڈسٹریز سپلائی اینڈ فوڈ ویلفیئر ایسوسی ایشن۔ انجمن محبان علی اصغر امامیہ مسجد کورنگی۔ انجمن عباسیہ قدیم جے ون ایریا کورنگی۔ ماتمی شیعہ انجمنوں مرکزی شیعہ فیڈریشن۔ محفل غلامان ابوالفضل۔ مدرسۃ الواعظین کراچی۔ تنظیم طلبا ملت جعفریہ پاکستان حلقہ خیرپور۔ علمدار اکیڈمی۔ آل پاکستان شیعہ سوشل ویلفیئر اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن۔ انجمن شمشیر حیدری۔ تحریک نظام آل محمد خیرپور۔ انجمن معین العزا انجمن حیدری ٹنڈو محمد خاں۔ ینگ شیعہ ڈیموکریٹ لاڑکانہ۔ ارکان فدایان شیر خدا لاڑکانہ۔ بورڈ آف ٹرسٹیز شاہ کربلا ٹرسٹ رضویہ سوسائٹی۔ انجمن ظفر الایمان انجمن سفینۃ المومنین مارٹن روڈ۔ انجمن تنویر یاقت آباد۔ شیعانِ حیدر آباد حسن کمیٹی۔ انجمن کاروانِ عزا۔ انجمن فدائیانِ اہلبیت۔ انجمن عابدیہ۔ حسینی ویلفیئر سوسائٹی۔ بزم گلشن ادب۔ ادارہ فروغ ادب۔ حسن اسٹوڈنٹس فیڈریشن (مشترکہ اجلاس)۔ انجمن فاطمیہ رجسٹرڈ حیدر آباد۔ انجمن سیدانیاں عباس لانڈھی۔ شیعہ مطالبات کمیٹی لقمان (خیرپور) انجمن حیدری نیا گوٹھ خیرپور انجمن فدائیان زید شہید۔ ادارہ یادگارِ رسالت۔ انجمن حسین مظلوم سیٹلائٹ ٹاؤن میرپور خاص۔ کارکنان مکتبۃ العلوم ٹرسٹ لائبریری۔ آڈٹ آفس آئی ایس اینڈ فوڈ ویلفیئر ایسوسی ایشن۔ ادارہ یادگار اصحاب محمد و آل محمد۔ انجمن ذوالفقار حیدری رجسٹرڈ۔ انجمن محمدی قدیم۔ ڈسٹرکٹ شیعہ کانفرنس ملتان۔ ادارہ تحفظ حقوقِ شیعہ ملتان۔ انجمن تنظیم المومنین۔ انجمن ماتمیان مظلوم کربلا کرشن نگر لاہور

عقیدت کے پھول

خطیب اعظم کی وفات پر علماء اور عمائدین قوم نے جس طرح اپنے تاثرات پیش کئے ہیں ان کی مثال نہیں ملتی۔ ذیل میں ان کے چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی

"علامہ دہلوی کسی ایک فرقے کے عالم نہیں تھے۔ بلکہ وہ صحیح معنوں میں عالم دین تھے۔ اور چونکہ تمام فرقے ایک ہی دین سے متعلق ہیں لہذا مولانا کو تمام فرقوں کا عالم کہا جاسکتا ہے۔ مولانا زندگی بھر مظلوموں کیلئے لڑتے رہے۔

پسماندگان سے گہری ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "مجھے افسوس ہے کہ میری صحت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں خود تعزیت کیلئے مولانا کے مکان پر حاضر ہو سکوں۔ لہذا صحت یاب ہونے کے بعد تعزیت کیلئے اہل خاندان کے پاس جاؤں گا۔

جناب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی

"مجھے مولانا سید محمد دہلوی کی وفات کی خبر سنکر سخت صدمہ پہنچا ہے ان کی موت نے مسلمانوں کی قومی زندگی میں ایک خلا پیدا کر دیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔"

جناب پروفیسر غفور احمد قائد پارلیمانی پارٹی جماعت اسلامی

"مرحوم نے گذشتہ سال ایک قومی آزمائش کے موقع پر جو قومی اور دینی فرض ادا کیا ہے وہ ناقابل فراموش ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے اور انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔"

جناب مولانا ظفر احمد انصاری رکن قومی اسمبلی

"علامہ دہلوی نہ صرف یہ کہ اپنے دور کے ایک ممتاز مجتہد تھے بلکہ ان کی زندگی کا سب سے تابناک پہلو یہ تھا کہ انہوں نے اسلام کی سربلندی اور غیر ملکی افکار و نظریات کو رد کرنے کے لئے دیگر فرقوں کے علمائے کرام سے تعاون کیا ان کی موت سے ملتِ اسلامیہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔"

جناب حبیب ہاشمی صدر تنظیم ملی پاکستان ڈھاکہ

"علامہ دہلوی کی وفات سے قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ علامہ علم و ادب کے ایک مضبوط ستون تھے ان کی موت سے قوم ایک عظیم عالم دین۔ سحر البیان خطیب اور علم و ادب کی روشن شمع سے محروم ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔"

جناب الحاج زاہد علی رکن صوبائی اسمبلی

"مرحوم نے جو خدمات انجام دی ہیں انہیں کبھی بھی نہیں بھلایا جا سکتا۔"

محترمہ ملکہ بلتستانی

"ملک و قوم کا ناقابل تلافی نقصان۔"

جناب محمد یامین خاں جنرل سکریٹری مسلم لیگ کونسل صوبہ سندھ

"مولانا سید محمد دہلوی اسلام کے ایک بہت بڑے مجاہد اور ستون تھے مولانا زندگی بھر بدی اور وقت کی فرعونی قوتوں کے خلاف جہاد کرتے رہے انہوں نے کسی بھی موڑ پر حق اور صداقت کے حسینی پرچم کو سرنگوں نہ ہونے دیا پسماندگان سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مولانا کی وفات صرف آپ کا نہیں ہم سب لوگوں کا ایک عظیم نقصان ہے۔"

جناب سید امداد حسین بلوچ رکن سندھ اسمبلی

اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے صدر ایس کے شمشاد

اور بابا آئی لینڈ پیپلز پارٹی کے چیئرمین صالح محمد سیٹھی نے ایک مشترکہ بیان میں اظہار رنج و غم کیا اور مولانا کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا۔

"مولانا سید محمد دہلوی نے ہمیشہ ظلم کے خلاف آواز اٹھائی اور وہ حق کیلئے حکومت وقت کے سامنے ڈٹ جایا کرتے تھے۔"

تعزیتی پیغامات

خطیب اعظم کی وفات پر علماء اور عمائدین قوم اور مرحوم کے احباب و معتقدین کے تاثرات اور تعزیتی پیغامات جو اخبار و جرائد میں شائع ہوئے ہیں یا مرحوم کے پسماندگان کو بھیجے گئے ہیں ان کی اجمالی فہرست درج ذیل ہے۔

سید ذوالفقار حسین زیدی جنرل سیکرٹری بوتراب اسکاؤٹس گروپ۔ ایچ بی جعفری خوجہ شیعہ اثنا عشری جماعت حیدر آباد۔ انصار حسین واسطی پاکستان شیعہ پولیٹیکل پارٹی کراچی۔ سید محمود علی زیدی۔ جنرل سیکرٹری حسن کمیٹی۔ شبیہ الحسنین محمدی جنرل سیکرٹری مسلم لیگ خیرپور۔ نثار حیدر زیدی، لاہور۔ ڈاکٹر علی حسین نقوی حیدر آباد۔ سید جمیل حسین رضوی ایبٹ آباد۔ مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ جامعہ امامیہ کراچی۔ مولانا سید نصیر الاجتہادی ادارہ مجلس علماء پاکستان لاہور۔ سید ابرار حسین زیدی حیدر آباد سید فیروز عالم میرٹھی سیکرٹری نشر و اشاعت انجمن تنظیم المومنین خیرپور۔ جنرل سیکرٹری تحریکِ نظام آل محمد خیرپور۔ مولانا سید حشمت حسین جعفری حیدر آباد۔ جناب یوسف علی منکانی چٹاگانگ۔ مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ پشاور۔ جناب کیپٹن صبح صادق راولپنڈی۔ جناب حیدر رضا کراروی نائب صدر شیعہ مطالبات کمیٹی اسلام آباد۔ مولانا

جواد حسین صاحب خطیب ہنگو۔ سردار محمد اسحاق خان صدر بلوچستان شیعہ کانفرنس کوئٹہ
مولانا یوسف حسین صاحب قبلہ میانوالی۔ ادارہ مرتضوی حیدر آباد۔ جناب ظل حسنین لاہور
جناب مختار علی مانسہرہ۔ جناب اکبر نواب راولپنڈی۔ جناب کرم حسین جام پور۔ جناب
حاجی رجب علی اشترزئی کوہاٹ۔ جناب رضا رضوی حیدر آباد۔ جناب ناصر صاحب ملتان
صدر انجمن مومنین پشاور۔ جناب شیخ عبدالعزیز رحیم یار خان۔ جناب قاری محمد عباس
صدر شیعہ مطالبات کمیٹی اشترزئی پایان۔ جناب اعجاز حسین ملتان۔ جناب اے جے نقوی
راولپنڈی۔ جناب قلب حسین فرزند نواب حاجی امیر علی لاہوری لاڑکانہ۔ جناب حسن گوہر
کوئٹہ۔ محترمہ ناصرہ رضوان چارسدہ۔ جناب ناصر قاسمی ہری پور ہزارہ۔ شیعہ کمیونٹی
ڈیرہ اسماعیل خان۔ پروفیسر سید پن صاحب کوئٹہ۔ صدر حسینی مشن خالص پور کھلتا
جناب سید بخف علی شاہ حیدر آباد۔ جناب سید بدیع الحسن زیدی پاکستان پیپلز پارٹی حیدر
آباد۔ سید علی اختر زیدی حسن ابدال۔ جناب سید وحید الحسن حیدر آباد۔ جناب
سید کاظم رضا واہ کینٹ۔ محترمہ مہر بانو خیر پور۔ محترمہ گلشن بتول نقوی حیدر آباد۔ جناب
مبارک حسن زیدی اسلام آباد۔ جناب مجاور حسین لاہور۔ جناب سید محمد حسین زیدی لاہور
جناب قاسم نواب شاہ۔ جناب سید محسن رضا رانی پور۔ جناب سید علی حسنین نقوی شیدا
راولپنڈی۔ جناب ابرار حسین شیرازی لاہور۔ جناب حیدر رضا رانی پور۔ جناب سید
حفاظت علی صدر شیعہ ایسوسی ایشن راولپنڈی۔ پروفیسر تاج بی بی بلوچ رہنما
پاکستان پیپلز پارٹی کراچی۔ جناب مولوی اکبر علی کونسلر آل پاکستان شیعہ مطالبات کمیٹی
صدر انجمن سپاہ عباس موضع متا تحصیل قصور۔ جناب ماسٹر الطاف حسین جنرل سیکرٹری
انجمن حسینیہ موضع متا۔ جناب محمد اصغر علی جنرل سیکرٹری آل پاکستان شیعہ کانفرنس قصور
موضع متا۔ سید حفیظ حسین شاہ صدر مطالبات کمیٹی موضع متا قصور۔ جناب
حکیم محمد انور حسین نائب صدر مطالبات کمیٹی موضع متا قصور۔ جناب سید ذاکر حسین خزانچی مطالبات کمیٹی موضع متا

آنس سیکرٹری باغ علی صاحب مطالبات کمیٹی موضع متا قصور۔ جناب اکبر علی قصور۔ جناب سید مہدی حسین لاہور۔ انجمن عون و محمد ڈرگ کالونی کراچی۔ جناب علی اعظم صاحب جناب یوسف علی منکانی چٹا گانگ۔ جناب سہراب کے۔ ایچ کرک سابق میئر کراچی۔ جناب سرور حسین ذاکر جنرل سیکرٹری خیرپور۔ جناب سید محمد عابدی گوادر ضلع مکران۔ جناب حکیم زین العابدین کراچی۔ جناب نور احمد مرزا سیکرٹری بلوچستان شیعہ کانفرنس۔ جناب محمد عبداللہ منیجر یتیم خانہ انجمن حسینیہ جھنگ۔ جناب کاظم رضا ٹیکسلا۔ جناب بی اے قریشی منیجر کوہ نور ٹیکسٹائل ملز لائل پور۔ جناب سید صابر حسین زیدی جنرل سیکرٹری انجمن حیدری ٹنڈو محمد خان۔ جناب اظہار حسین مانسہرہ ایبٹ آباد۔ جناب صابر حسین شاہ انجمن محبان آلِ عمران راولپنڈی۔ جناب سید باقر علی کراچی۔ جناب محمد صدیق ایڈیٹر "رضا کار" لاہور۔ جناب سید تجمل مہدی کاظمی بانی و سیکرٹری جنرل آل پاکستان شیعہ سوشل اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن۔ جناب سید علی حسنین زیدی مینجنگ ٹرسٹی تنظیم المومنین ٹرسٹ کراچی۔ جناب غلام علی سنجانی نائب صدر بلوچستان شیعہ کانفرنس کوئٹہ جناب سید ابو محمد رضوی جنرل سیکرٹری انجمن حیدریہ رجسٹرڈ راولپنڈی۔ جناب نور احمد مرزا سیکرٹری انجمن حسینی قندھاری پاکستان۔ جناب حسن عسکری کاظمی روہڑی۔ شیعان حیدر آباد۔ جناب سید مقبول حسین کاظمی ایبٹ آباد۔ جناب سید غمگسار حسین لاہور جناب حاجی سید حسین کنوینر بلوچستان مطالبات کمیٹی کوئٹہ۔ جناب میجر مبارک علی شاہ لاہور۔ محترمہ بیوہ مختار حسین صاحب خیرپور۔ جناب سید منظور حسین خیرپور۔ آنریری مینجنگ ٹرسٹی شاہ کربلا رضویہ سوسائٹی۔ مولانا محمد حسین صاحب قبلہ پرنسپل دار العلوم محمدیہ سرگودھا۔ جناب شہنشاہ حسین صاحب صادق آباد۔ جناب حکیم ظہور حسین شاہ راولپنڈی۔ جناب سید نفیس عباس زیدی تربیلا ہزارہ۔ جناب سید علیم جان صدر انجمن امامیہ کوہاٹ۔ جناب طوفان غلام حسین جنرل سیکرٹری انجمن قلندری اثنا عشری

سہون شریف۔ جناب رسول بخش بی جعفری صدر مطالبات کمیٹی نندہ شہر۔ جناب طلعت محمود ظفر جعفری ناظم امامیہ مشن لائبریری میانوالی۔ جناب سید خورشید حیدر زیدی جنرل سیکرٹری شیعہ مطالبات کمیٹی نقمان خیرپور۔ جناب سید حسین حیدر زیدی خیرپور۔ جناب سید علی اوسط زیدی لاہور۔ جناب انتصار مہدی رضوی میانوالی ادارہ درس محمد و آل محمد لائل پور۔ جناب مقصد علی بنگش پشاور۔ جناب ملک شیر زمان سیکرٹری شیعہ مطالبات کمیٹی لنڈی کمیٹی کوہاٹ۔ جناب مختار علی مخفی تحصیل چکوال جناب سید سبط حسن مطالبات کمیٹی لنڈی کمیٹی کوہاٹ۔ جناب سید محمد رفیع کاظمی بہاول پور جناب شمیم حیدر خانیوال۔ جناب اظہر حیدر ناظم اعلیٰ تنظیم طلبہ ملت جعفریہ پاکستان جناب ایم علی محمد کربلائی انجمن اصغریہ امامیہ رجسٹرڈ ایبٹ آباد ہزارہ۔ جناب محمد حیدر جیوٹ کراچی۔ الحاج مرزا صفدر حسین المشہدی پشاور۔ ادارہ حسینیہ ٹیکسلا۔ جناب شمیم السبطین رضوی "قم" ایران۔ جناب ظریف صاحب چیئرمین انجمن فیض حسین کلکتہ جناب روشن علی ناصر بمبئی۔ جناب سید مشتاق حسین نقوی شیعہ مطالبات کمیٹی ملتان جناب مولانا سید سلطان علی رضوی کراچی۔ جناب سید محمود حسن زیدی مشرقی پاکستان جناب ملک صادق علی عرفانی ہفت روزہ شیعہ لاہور۔ جناب سید زاہد حسین زیدی پروپیگنڈہ سیکرٹری انجمن حسینیہ گجرات۔ جناب محمد یوسف صاحب کراچی۔ جناب سید محمد حسین بخاری انجمن جعفریہ مظفر آباد۔ جناب النّ صاحب گلزار باغ پٹنہ محترمہ بیگم سعید حیدر پشاور۔ جناب سید اختر حسین گوجرانوالہ۔ جناب سید وصی الحسنین خیرپور۔ جناب حسین فیاض جوائنٹ سیکرٹری انجمن رضا کاران حسین کراچی۔ جناب سید قائم علی فانی جارچوی لاہور۔ جناب عبدالعلی سیکرٹری مطالبات کمیٹی حسن خیل کمیٹی کوہاٹ۔ جناب سید مہدی حسین نقوی جنرل سیکرٹری شیعہ مطالبات کمیٹی و انجمن گلزار حیدری ڈیرہ غازی خان۔ جناب سید غلام عباس شاہ جھنگ۔ جناب مرزا

خان کربلائی جہلم۔ چیئرمین حسینی مشن کراچی۔ جناب مرزا یوسف حسین لکھنوی میانوالی جناب گوندر حسین رند بلوچ سیکرٹری شیعہ مطالبات ہالہ۔ الحاج سید احسام جنرل سیکرٹری شیعہ مطالبات کمیٹی ہنگو۔ جناب مولانا سید مرتضیٰ حسین صاحب قبلہ لاہور جناب سید منظور شاہ جعفری ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ جناب سید عقیل حسین زیدی پروپیگنڈہ سیکرٹری شیعہ مطالبات کمیٹی نواب شاہ۔ جناب سید حامد حسین جنرل سیکرٹری شیعہ مطالبات کمیٹی لیہ، مظفر گڑھ۔ جناب سید عالم علی انبالوی شیخوپورہ۔ جناب سید حاجی فتح علی کربلائی ضلع سانگھڑ۔ جناب اے ایچ عارف چیئرمین سوشل اسٹوڈنٹس فیڈریشن۔ جناب مولانا محمد بشیر انصاری ٹیکسلا۔ جناب خان محمد عارف خاں صاحب رجبانہ جھنگ۔ الحاج سید محمد عباس صاحب اشترزئی کوہاٹ۔ جناب سید رضی جعفر زیدی اسلام آباد۔ سیکرٹری شیعہ مطالبات کمیٹی دھورو نارو۔ سید وصی حیدر زیدی لکھنؤ۔ جناب مولانا سید مظفر حسین طاہر جرولی نخاس لکھنؤ۔ سید آل حسن عظیم آبادی کھلنا مشرقی پاکستان۔ جناب ڈاکٹر ذوالفقار صاحب لائل پور۔ جناب ماہر لکھنوی لکھنؤ۔ شمیم احمد معتمد عمومی دہلی اینگلو عربک کالج اینڈ اسکول اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کراچی۔ سید علی اوسط زیدی موسس ادارہ یادگار اصحاب محمد و آل محمد کراچی۔ جناب ملک مراتب علی صاحب پاراچنار۔ جناب غلام شبیر سیکرٹری شیعہ مطالبات کمیٹی گھوڑا جہلم۔ جناب علی احمد شاہ سابق صدر آزاد کشمیر میرپور۔ جناب سید ظہیر حیدر زیدی مظفر گڑھ۔ جناب رکن علی سیکرٹری شیعہ مطالبات کمیٹی موضع شیر کوٹ کوہاٹ۔ جناب محمد علی اختیار صاحب سیکرٹری انجمن حسینیہ سید آباد کوئٹہ۔ جناب سید محمد ناظر نقوی مقامی سیکرٹری انجمن وظیفہ سادات المومنین ایبٹ آباد جناب خواجہ رحمت اللہ۔ ایم عیسیٰ سیکرٹری غلامانِ عباس میرپور تھوردٹھٹہ۔ انجمن امامیہ میرپور۔ محترمہ پروین عالم صادق آباد۔ جناب سید انصار حسین بجنور (انڈیا) محترمہ زرینہ خانم راولپنڈی۔ جناب صغیر حسین ناظم اعلیٰ مجلس المسائل لاہور۔ جناب

قاسم علی زیدی نواب شاہ۔ محترمہ امتہ الزہرہ بیگم اصغر عباس سرگودہا۔ جناب سید بادشاہ حسین رضوی منتظم امام باڑہ یادگار حسینی۔ جناب ڈاکٹر سید صفدر حسین چیئرمین بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن سرگودہا۔ جناب سید محمد ہاشم زیدی کراچی۔ جناب سید حسن عسکری۔ پی۔ پی۔ آئی مولانا سید اظہر حسن زیدی صدر مرکزی ادارہ تحفظ حقوقِ شیعہ۔ جناب مظفر علی شمسی جنرل سیکرٹری ادارہ تحفظ حقوق شیعہ۔ جناب جعفر علی میر مدیر ہفت روزہ شہید جناب غلام ربانی چیئرمین پاکستان شیعہ پولیٹکل پارٹی۔ جناب انصار حسین واسطی پاکستان شیعہ پولیٹکل پارٹی۔ مولانا سید ابن حسن نجفی صاحب قبلہ۔ مولانا ثمر حسن صاحب قبلہ۔ مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی۔ مولانا محمد حسن سگری صاحب قبلہ۔ مولانا شبیہ الحسنین صاحب قبلہ۔ مولانا مرزا عسکری حسین صاحب قبلہ۔ مولانا عبدالحی عباسی قبلہ۔ جناب خطیب قاری محمد اسمٰعیل میرٹھی۔ جناب محمد علی انبالوی نائب صدر انجمن نوجوانانِ اسلام۔ دلیر حیدر رضوی جنرل سیکرٹری پاکستان شیعہ فیڈریشن۔ سید نجم الحسن نقوی دائس چیئرمین حسن کمیٹی۔ جناب محشر لکھنوی۔ جنرل سیکرٹری علمدار اکیڈمی۔ سیکرٹری نشر و اشاعت دستہ امامیہ حسین آباد ملیر۔ جناب مختار احمد ملنگ حیدری۔ سید غلام مجتبیٰ نقوی سیکرٹری فلاح المومنین ٹرسٹ۔ سید نشاط حسین صدر ینگ مین شیعہ مشن۔ جناب مولانا کاظم رضا صاحب۔ جناب ثمر عباس جعفری یوم حسین آرگنائزنگ کمیٹی سٹی کالج ابرار حسین زیدی سیکرٹری ادارہ اتحاد المسلمین پاکستان۔ جناب علی اصغر سالار دستہ انجمن شمشیر حیدر۔ جناب امیر حسین چمن صدر پاکستان اسٹوڈنٹس گلڈ۔ جناب نواب حسن لکھنوی جنرل سیکرٹری مرکزی شیعہ فیڈریشن۔ جناب سید اصغر عباس زیدی کورنگی صدر انجمن معین العزا۔ جناب سید محمد حسن صاحب معتمد عمومی تنظیم طلبہ ملتِ جعفریہ پاکستان حلقہ خیرپور۔ سید عقیل حیدر رضوی جنرل سیکرٹری انجمن انصارانِ حسینی لیاقت آباد سید مظہر حیدر نقوی ناظم اعلیٰ تنظیم طلباء ملت ارکان، فدایان شیر خدا لاڑکانہ۔ ینگ

شیعہ ڈیموکریٹ لاڑکانہ۔ جناب محمد عیسیٰ صدر انجمن سپاہ عباس کورنگی۔ سید مظہر حیدر نقوی تنظیم طلبا ء ملت جعفریہ۔ حکیم سید محمود گیلانی سیالکوٹ۔ نذیر حسین جنرل سیکرٹری مطالبات کمیٹی بستی چراغ شاہ قصور۔ سید ظفر الحسن نونگانوی۔ حاجی سید رضا حسین سیکرٹری انجمن انصار الحسین پاراچنار۔ عبدالوہاب سیکرٹری جنرل مہدویہ استرزئی پایان کوہاٹ۔

ممتاز شیعہ عالم علامہ شمش العباس ایوبی ناظم اعلیٰ ادارہ عالیہ تبلیغ شیعہ پاکستان۔ مولانا شیخ علی نظر احتجاری، حاجی سید حسین، راجہ محمد اقبال صدر پنجابی امام باڑہ کوہاٹ سید محمد علی شاہ سیکرٹری ینگ مسلم شیعہ الیسوسی ایشن۔ ممتاز سیاسی رہنما کیپٹن سلطان علی خان۔ شیخ حامد حسین صدر ینگ مسلم الیسوسی ایشن۔ محمد نذیر خان، سیکرٹری ینگ مسلم شیعہ الیسوسی ایشن۔ راجہ خورشید علی۔ نور احمد مرزا سیکرٹری شیعہ کانفرنس، حسن رضا سیکرٹری انجمن محبان اہل بیت نے ایک مشترکہ بیان میں علامہ موصوف کی موت کو ناقابل تلافی نقصان قرار دیا ہے۔ سید راشد عباس کاظمی ایڈوکیٹ صدر شیعہ مطالبات کمیٹی و صدر انجمن امامیہ بہاولنگر نے قائد ملت کی موت کو قوم و ملت کے لئے ایک عظیم نقصان قرار دیتے ہوئے مرحوم کے پسماندگان سے اظہار تعزیت کیا ہے۔ کوہاٹ کے ممتاز قومی رہنما سید اکبر حسین رضوی نے بھی اظہار تعزیت کیا ہے۔

جناب منصور علی چودھری۔ ڈسٹرکٹ مسلم لیگ راولپنڈی، سردار اسد علی خاں کیمبلپور ضلع مسلم لیگ، سید علی شہزاد جعفری رکن صوبای ورکنگ کمیٹی مسلم لیگ راولپنڈی، سکندر خاں ملتان مسلم لیگ، جناب سلطان تنظیمی سکریٹری ضلع ملتان نے ایک مشترکہ بیان میں مولانا کی وفات پر اظہار تعزیت کی اور اسے ایک عظیم سانحہ قرار دیا۔"

Raza ... Road Soldier Bazar Karachi

اخبارات کا خراجِ عقیدت

مولانا سید محمد دھلوی مرحوم

روزنامہ جنگ کراچی

پاکستان کے سرکردہ شیعہ عالم اور خطیب اعظم مولانا سید محمد دہلوی کا انتقال ایک قومی سانحہ ہے۔ ان کی وفات حسرت آیات سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ اب کبھی پُر نہیں ہو سکتا۔ مولانا کے معتقدین نہ صرف برصغیر بلکہ ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں وہ ایک عالم بے بدل، خطیب بے مثال تھے۔ ملّت مسلمہ کا درد اپنے دل میں رکھتے تھے۔ اردو کی حمایت میں تحریک کے دوران جب انہوں نے تقسیم برصغیر سے قبل جنوبی ہند کا طوفانی دورہ کر کے اپنے زور خطابت سے پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا تو خواجہ حسن نظامی جیسی ہستی نے انہیں خطیب اعظم کے خطاب سے نوازا تھا مولانا مرحوم، تبلیغ کے سلسلے میں افریقی ممالک کے دورے پر بار ہا گئے۔ آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد انہوں نے اتحاد ملّت کے سلسلے میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ مرحوم بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک ایسے جیّد عالم کا دنیا سے اٹھ جانا پوری ملّت اسلامیہ کے لئے ایک نقصان عظیم ہے سیّد محمد دہلوی مرحوم آج ہم میں نہیں رہے لیکن ان کی خدماتِ جلیلہ تا قیامت زندہ رہیں گی۔

ڈان کراچی ۲۲ اگست ۱۹۷۱ء

علامہ سید محمد دہلوی کی موت نے علم وفہم اور ایقان کی گونجتی ہوئی آواز کو خاموش کر دیا ہے ۔ مسلمان عالم دین کی حیثیت سے پورے برصغیر میں آپ کو ایک ہمہ گیر شہرت، اور عوام الناس کی زبردست عقیدت حاصل تھی ۔ آپ بیک وقت ایک وسیع النظر عالم اور بے مثال خطیب تھے ۔ تمام عمر آپ اپنے عقائد اور نظریات کی تبلیغ میں منہمک رہے ۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے جنوبی ہند میں اردو کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں بیش بہا خدمات انجام دیں ۔

اسلامی فقہ اور حدیث کے مختلف مکاتیب فکر کے سنجیدہ مطالعہ ۔ السنہ شرقیہ پر کامل دست رس ۔ اور مختلف بیرونی ممالک کی سیاحت کی بنا پر آپ کو ایک متبحر اور مستند عالم کی حیثیت حاصل تھی ۔ آپ کے کتب خانہ میں ہزاروں کتابیں تھیں جن میں سے بعض نادر الوجود ہو چکی ہیں ۔ آپ نے یہ تمام کتابیں کراچی کے ایک ادارے کی لائبریری کو بطور عطیہ مرحمت کر دیں ۔ تاکہ علم کا ذوق رکھنے والے ان تک آزادی کے ساتھ رسائی حاصل کر سکیں ۔ دہلی کے مشہور اینگلو عربک کالج سے آپ کی دیرینہ رفاقت نے آپ کو اپنی علمی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور اپنے علم سے دوسروں کو فیضیاب ہونے کا پورا موقع دیا ۔

گذشتہ چند برسوں میں آپ نے اپنی طویل علالت اور ضعیف العمری کے باوجود آپ نے اپنے وقت کا بیشتر حصہ اور اپنی تمام تر کوشش شیعہ فرقے کے دینی مطالبات کو منوانے کے لئے وقف کر دی تھیں ۔

پاکستان اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر رفاہ عامہ کی عمارات کی تعمیر میں بھی آپ کا زبردست ہاتھ رہا ہے ۔ اللہ آپ کی روح کو اپنے جوار رحمت

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust (R)
Shop No. 11, M.L. Heights,
Mirza Kaleej Beig Road,
Soldier Bazar, Karachi-74400. Pakistan.

میں جگہ دے۔

عالم کی موت

ممتاز عالم دین مولانا سیّد محمد دہلوی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اِنا للہِ وَ اِنا الیہِ راجعون۔ اُن کی موت ایک عالمِ باعمل کی موت ہے اور اس سے علمائے دین کی صفوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے اور اب وہ شاید ہی کبھی پُر ہو سکے۔ مرحوم نہ صرف ایک خوش بیان مقرر تھے اور اسی صفت کی بناء پر انہوں نے حضرت خواجہ حسن نظامی سے خطیب اعظم کا لقب پایا تھا بلکہ انہوں نے کئی ایسے ٹھوس کام بھی کئے جو زمانے کے سینے پر ان کے قدموں کے نشان تادیر ثبت رہیں گے۔ ان میں سادات بارہہ کے لئے بورڈنگ ہاؤس، کیسر باغ بمبئی۔ دہلی ہال اور شیعہ یتیم خانہ جھنگ صدر کی تعمیر شامل ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک آپ کا سب سے بڑا کارنامہ آپ کا وہ ایک لاکھ روپے سے زائد مالیت کا کتب خانہ ہے جسے آپ نے قوم کے نام وقف کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کے دور افتادہ گوشوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے میں آپ نے جو خدمات انجام دیں انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

اس کے علاوہ بھی خطیب اعظم کی زندگی کا ایک پہلو ایسا ہے جو سب کے لئے قابلِ تقلید ہے اور وہ ہے اپنے مقصد سے لگن اور کام سے بے پناہ محبت۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ وہ جب تک مرض الموت میں مبتلا نہیں ہوتے انہوں نے اپنے فرائض سے کبھی منہ نہیں موڑا۔ اور ۷۳ برس کی عمر میں بھی دینی و دنیاوی امور برابر سر انجام دیتے رہے۔

مولانا کی وفات حسرت آیات پر ہم ان کے پس ماندگان کے علاوہ پوری

ملّتِ جعفریہ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ خدا مرحوم کو غریقِ رحمت کرے۔

(روزنامہ حریّت کراچی)

موت العالم

علامہ سید محمد دہلوی کی وفات اس لحاظ سے حسرت آیات ہے کہ ان کی جدائی سے علمائے دین کی صفوں میں ایک بہت بڑا خلاء پیدا ہوگیا ہے جس کا اس قحط الرجال کے دور میں پُر ہونا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ علامہ مرحوم اہل تشیع کے علماء میں ایک بلند مقام رکھتے تھے ان کا شمار برصغیر پاک و ہند کے بلند پایہ خطیبوں میں ہوتا تھا۔ ان کا انداز خطابت بہت نکھرا، ستھرا اور اثر انگیز ہوتا تھا۔ انہوں نے عمر بھر علم کی خدمت کی اور کتابوں کا ایک گراں بہا اور نادر ذخیرہ قوم کے نام وقف کر دیا۔

علامہ مرحوم صاحب علم ہی نہیں صاحب عمل بھی تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ وسعت قلب اور رواداری میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ اس لئے اتحاد بین المسلمین کے محاذ پر بھی ان کا کردار مثالی تھا۔ ایسے بزرگ کہیں صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں جو اپنے مکتبہ فکر کی کما حقہ خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ عامۃ المسلمین کو ایک مرکز پر جمع رکھنے کے تقاضوں سے بھی غافل نہیں رہتے۔ اس لحاظ سے علامہ مرحوم کی جدائی کو قوم کے ہر طبقہ میں پوری شدّت کے ساتھ محسوس کیا جا رہا ہے۔ یہ صدمہ اس اعتبار سے اور زیادہ شاق گذر رہا ہے کہ تحریک پاکستان کے مزاج آشنا بزرگ ایک ایک کر کے ہم سے رخصت ہوتے جا رہے ہیں۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔ (روزنامہ مشرق کراچی)

D.D
۱۴۴
NAJAFI BOOK LIBRARY

حرفِ آخر

یہ کتاب آپ کی نظر سے گزری عقیدت و محبت کے چمن میں سے چند

پر مشتمل یہ گلدستہ جس قلیل مدت میں آپ کے ہاتھوں میں پہنچ سکا ہے بلاشبہ و

کی روحانیت کا ایک فیض تھا۔ ہم اس کو اس دُعا پر ختم کرتے ہیں کہ خداوند عا

ہمارے والد مرحوم کو جوارِ معصومین میں بلند مراتب عطا فرمائے۔

ہم کو ایسی توفیق مرحمت کرے کہ مرحوم کی روح ہم سے خوش رہے،

ہم مرحوم کے عقیدت مندوں کی توقعات پر پورے اُتریں، اور مرحوم

کی تعلیم و تربیت کے مطابق ہم ادائے اجرِ رسالت اور خدمتِ اہلبیتِ

رسول کو اپنی زندگی کا شعار اور حیات کا ماحصل سمجھیں۔

سوگواران خطیب اعظم

۲۵ رجب سنہ ۱۳۹۱ھ

۱۷ ستمبر سنہ ۱۹۷۱ء

سید احمد جوہر۔ سید محمد رضا۔ حمیدہ بیگم

ادارۂ یادگارِ خطیبِ اعظم

خطیبِ اعظم مولانا سید محمد دھلوی مرحوم خطیب، مصنف اور رہنمائے قوم تھے۔ انہی صفات کی مناسبت سے ان کے عقیدتمندوں نے ان کی یاد میں ایک ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہوں گے:

(۱) خطابت اور ذاکری کو فروغ دینے کے لئے موزوں اقدامات مثلاً نوجوانوں اور دانشوروں پر مشتمل مجالسِ مذاکرہ اور تقریری مقابلوں کا انعقاد اور خطابت کی تعلیم و تربیت کے انتظامات کرنا۔

(۲) نوجوانوں میں مذہبی اور قومی شعور بیدار کرنے کے لئے عہدِ حاضر کے تمام وسائل ابلاغ و نشر و اشاعت کو کام میں لانا۔ خاص طور سے دینی، تاریخی، ادبی اور کردار ساز رسائل و کتب کی اشاعت کا اہتمام کرنا۔

تعاون و تجاویز کے لئے خط و کتابت کا پتہ:

ادارۂ یادگارِ خطیبِ اعظم

۱/۲ فردوس کالونی۔ کراچی ۱۸